الاقتصاد الاسلامی

وفاق المدارس السلفیہ پاکستان
کی ہدایات اور تجاویز کی روشنی میں مرتب شدہ کتاب

اسلام کا نظامِ اقتصاد



تقریظ
پروفیسر عبدالرحمان لدھیانوی حفظہ اللہ
ناظم امتحانات وفاق المدارس السلفیہ پاکستان

دارالاصلاح
DARULISLAH
اصلاح امت کیلئے ہردم کوشاں

تالیف
ابو خزیمہ علی مرتضیٰ طاہر

فہرست مضامین

باب 4:......زکوٰۃ

باب 5:......عوامی سہولیات

باب 6......قانون وراثت

باب 7:......زراعت اور اسلام

باب 8:......تجارت

باب 9:......سود

باب 10:......اسلامی بینکاری و انشورنس

باب 11:......زمین کی تقسیم وملکیت

باب 12:......محنت واجرت

باب 13:......جدید اقتصادیات اور پاکستان

حرفِ آغاز:

اقتصادیات

انسانی زندگی معیشت کے بغیر نہیں چل سکتی اور معیشت کے اصولوں کو جاننے کے لیے علم اقتصادیات سے آگاہی ہونا ضروری ہے۔ اس علم پر قدیم اور جدید دور کے علماء نے بہت کچھ لکھا اور آج کتابوں میں محفوظ ہے۔

وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان کے الشھادة العالمیة کے نصاب میں پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے اسلامیات کا پرچہ الاقتصاد الاسلامی بھی شامل ہے۔ راقم الحروف نے کئی مرتبہ یہ مضمون کلاس میں سبقاً پڑھایا ہے۔ لیکن دوران تدریس جس چیز کی کمی محسوس ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ ایم اے اسلامیات کا نصاب ایک ہی کتاب میں نہیں ملتا تھا اور جو مضامین وفاق المدارس السّلفیہ کی طرف سے بھجوائے جاتے وہ بھی ایک کتاب میں نہیں ہوتے تھے۔ جس کی وجہ سے طلبہ اور استاد کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے راقم نے اس کتاب کو مرتب کرنے کا ارادہ کیا اور انہی مضامین کو شاملِ کتاب کیا جو وفاق المدارس کی طرف سے بھجوائے گئے تھے۔ پھر اس کتاب کی تیاری کے لیے بہت سی عربی و اردو کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔

الحمد للہ! اللہ کی توفیق سے یہ کتاب مکمل ہوئی اور اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مجھے اللہ سے اُمید ہے کہ اگر طلبہ یہ نصاب پڑھ لیں تو انھیں اس پرچہ میں نمایاں کامیابی حاصل ہوگی۔

میں انتہائی مشکور ہوں محترم جناب پروفیسر عبد الرحمٰن لدھیانوی صاحب کا کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس کتاب کو دیکھا اور اس پر تقریظ لکھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں صحت و عافیت والی لمبی زندگی نصیب فرمائے۔ (آمین)

علمِ اقتصاد کی تعریف

لغوی تعریف:

لغت میں قصد اور اقتصاد "میانہ روی" اور "اچھے چال چلن" کا نام ہے۔

اصطلاحی تعریف:

"ایسے وسائل کو دریافت کرنا جو دولت و ثروت پیدا کرنے کے مناسب طریقے، اس کے خرچ کے صحیح استعمال اور اس کی ہلاکت و بربادی کے حقیقی اسباب بتا سکیں "علم اقتصاد" کہلاتا ہے۔"

دوسرے الفاظ میں آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ:

"علم اقتصاد اس علم کا نام ہے جو ان مذکورہ وسائل سے بحث کرتا ہے اور ان کے غلط اور صحیح ہونے پر مطلع کرتا ہے۔"

مذکورہ معنی کی بنیاد پر علم اقتصاد دو حصوں پر منقسم ہوتا ہے۔

1۔ اجتماعی 2۔ انفرادی

ہماری بحث کا نقطہ نظر اقتصاد اجتماعی ہے اس لیے کہ یہی معاشی زندگی کی بنیاد ہے۔

معاشی نظام کی اہمیت وضرورت

علم معاشیات کا تعلق انسانی زندگی کے اقتصادی پہلو سے ہے۔ یہ علم اس امر سے بحث کرتا ہے کہ انسان محدود ذرائع کی مدد سے اپنی لاتعداد خواہشات کو کس طرح پورا کر سکتا ہے۔ اس علم میں انسانی سرگرمیوں کا بحیثیت مجموعی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ اس فرد کے مسائل سے بحث کرتا ہے جو دوسرے لوگوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارتا ہے۔ اس لیے جو لوگ دنیا

سے الگ تھلگ ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے مسائل اس مضمون کے زیر بحث نہیں آتے۔

معاشی نظام کی ضرورت و اہمیت کو سمجھنے کے لیے درج ذیل امور کا مطالعہ ہی کافی ہے۔

- عصر حاضر میں معیشت کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح انسان کی ابتدائی تاریخ کو پتھر اور دھات کے زمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، اسی طرح آج کا دور "معیشت کا دور" ہے، بلکہ نظام ہائے معیشت کی کشمکش کا دور ہے اور صنعتی و سائنسی ترقی نے اس کشمکش کو مزید تند و تیز کر دیا ہے۔
- اس علم کا تعلق ہماری روزمرہ کی شہری زندگی سے ہے، اس لیے کامیاب شہری بننے کے لیے اس علم کا مطالعہ ضروری ہے۔
- اس علم کے مطالعہ سے صنعت و حرفت اور تجارت کے معاملات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔
- معاشرہ میں منصفانہ تقسیم دولت کے لیے اسلامی معاشیات کا مطالعہ ضروری ہے۔
- ٹیکسوں کے نظام کو سمجھنے کے لیے بھی معاشی نظام کا مطالعہ ناگزیر ہے۔
- اسلامی معاشیات فلاحی پہلو کو زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ اس نقطہ نظر سے بھی معاشی نظام کا مطالعہ انتہائی توجہ طلب معاملہ ہے۔
- آمدنی اور خرچ میں توازن رکھنے کے لیے بھی اسلامی معاشیات کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ اسلامی معاشیات میں فضول خرچی اور بخل دو انتہائی غلط رویے ہیں۔ بہترین راہ اعتدال کی ہے۔
- بین الاقوامی تجارت، غیر ملکی قرضے اور بیرونی سرمایہ کاری جیسے معاملات کو سمجھنے کے لیے بھی معاشی نظام کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔
- اسلامی معاشیات کی روشنی میں دور جدید کے تمام معاشی مسائل حل کیے جا سکتے ہیں۔
- اسلامی معاشیات فطرت انسانی کے عین مطابق اور عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے کرتی ہے۔ یہ معاشرہ کے افراد میں اخوت، باہمی محبت، تعاون اور مہمان نوازی

جیسی خوبیاں پیدا کرتی ہے، جبکہ جس معاشرہ میں غیر اسلامی معاشی نظام کو رائج کر دیا جائے وہ معاشرہ محبت، پیار اور اخوت وتعاون جیسی خوبیوں سے محروم رہتا ہے۔

مسلم مفکرین کے اقتصادی افکار

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے معیشت کے افکار قرآن وسنت سے لیے ہیں۔ قرآن کریم میں زندگی کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ معاشی پہلو پر بھی توجہ دی گئی ہے۔ اس میں ابواب کی صورت میں علم معاشیات پر بحث تو موجود نہیں، لیکن اس موضوع پر کئی آیات مل جاتی ہیں۔ اسی طرح احادیث میں بھی معاشیات کے حوالے سے کافی رہنمائی ملتی ہے پھر مفکرین اسلام نے اسی کو بنیاد بنا کر علم معیشت کے حوالے سے اپنے اپنے افکار و نظریات پیش کیے ہیں۔ جن مفکرین نے اس موضوع کو اپنی تصانیف میں جگہ دی ان میں درج ذیل نمایاں ہیں۔

* ابن خلدون * امام غزالی
* امام ماروردی * شیخ الاسلام ابن تیمیہ
* امام فارابی * شاہ ولی اللہ
* علامہ اقبال

اب ہم ان مفکرین کے اقتصادی افکار کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

ابن خلدون رحمہ اللہ:

ان کا پورا نام ''ابو زید عبد الرحمٰن بن محمد بن خلدون'' ہے۔ 732ھ بمطابق 1332ء تونس میں پیدا ہوئے۔

علم معاشیات کے ارتقاء میں ابن خلدون کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان کی مایہ ناز تصنیف "العبر" ہے جو تاریخ پر لکھی گئی۔ اس کتاب کے پانچویں باب میں ''المعاش'' کے عنوان پر 32 فصلیں ہیں، جن میں بڑے منظم طریقے سے معاشی امور پر بحث کی گئی ہے۔

اس میں انہوں نے معاشیات کی تعریف، معاشیات کا علم سائنس سے تعلق، حصول دولت، آزادانہ معاشی تجارت، پیداواری وغیر پیداواری شعبوں، معاشرتی ترقی کے مراحل، دیہاتی و شہری معاشی نظام، صنعتی وفنی تربیت، ٹیکسوں کی شرح اور روزی کمانے کے مختلف ذرائع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان کے اقتصادی افکار کا خلاصہ ہم ان الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں:

''مادی طاقت اور خوشحالی انسان کے اخلاق کو بدل دیتی ہے اور اخلاق کی یہی تبدیلی بالآخر مادی طاقت کے زوال کا سبب بنتی ہے۔ اس لیے جو قوم زندہ رہنا چاہتی ہے اس کا یہ فرض ہے کہ تہذیب وتمدن اور صنعت وحرفت کی ترقی کے ساتھ ساتھ اخلاق وسیرت پر بھی کڑی نظر رکھے۔''

مسلمان اس بات پر فخر محسوس کر سکتے ہیں کہ خود مغربی مفکرین نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ علامہ ابن خلدون کا کام ہیوم لاک، ایڈم سمتھ، اور کارل مارکس سے بھی بہتر ہے۔ علامہ ابن خلدون کے بعض نظریات اس قدر ترقی یافتہ ہیں کہ اگر ہم کہیں کہ ابن خلدون کا شمار معاشیات کے بانیوں میں سے ہوتا ہے تو یہ مبالغہ آرائی نہ ہوگی۔

امام غزالی رحمہ اللہ:

ان کا سن ولادت 1058ء اور وفات 1111ء ہے۔ انہوں نے ''احیاء علوم الدین'' کے علاوہ درج ذیل کتب تصنیف کیں۔

* التبر المسبوك * رسالة العقائد
* كيمياء السعادة * خلاصة الفقه

یہ اپنی تمام کتابوں میں معاشی امور پر بحث کرتے ہیں جن سے ان کے معاشی نظریات وافکار کا پتہ چلتا ہے۔ یہ امر بہت ہی دلچسپ ہے کہ امام غزالی پہلے مسلم مفکر ہیں، جنہوں نے بجٹ کا تخیل پیش کیا، وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ خرچ اور آمدن کی مدات کا علیحدہ علیحدہ حساب رکھا جائے۔ وہ ظالمانہ اور ناجائز ٹیکسوں کے سخت مخالف تھے۔ نیز وہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ ٹیکسوں سے حاصل کی جانے والی دولت کا اکثر حصہ حکام اپنی عیاشیوں پر

خرچ نہ کریں۔

کیمیائے سعادت میں ''تجارت اور روزی کمانے کے آداب'' پر ایک باب قائم کیا ہے، اسی طرح وہ ''ذخیرہ اندوزی'' پر بھی بحث کرتے ہیں۔

امام ماوردی رحمہ اللہ:

ان کی پیدائش 975ء اور وفات 1058ء میں ہوئی۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں معاشی امور پر خوب بحث کی ہے۔ ان کی تصانیف درج ذیل ہیں:

- الاحکام السلطانية
- درر السلوك فی سياسة الملوك
- قانون الوزارة
- ادب الدين والدنيا

انہوں نے اپنی تصانیف میں حکام کے اخراجات، وزارتوں کی تقسیم کار اور آمدن وخرچ کی تفاصیل کو بیان کیا ہے۔ یہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کوئی بھی قوم اس وقت تک پروان نہیں چڑھ سکتی جب تک معاشی معاملات میں منصفانہ سوچ کو فروغ نہیں دیا جائے گا۔ یعنی ان کے نظریات وافکار کے مطابق:

''کسی بھی ریاست میں فساد اور بگاڑ کی سب سے بڑی وجہ معاشی ناہمواریاں اور غیر منصفانہ تقسیم دولت ہوتی ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

ان کا نام ''الشیخ ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ حرانی دمشقی'' ہے۔ 661ھ میں ترکی کے ایک علاقے حران میں پیدا ہوئے، تاتاریوں کے حملے کے وقت ان کا خاندان ہجرت کر کے شام سے دمشق کی طرف چلا گیا جس کی وجہ سے یہ دمشقی کہلائے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ تصنیف وتالیف کے جس قدر کارنامے ابن تیمیہ نے سرانجام دیئے ہیں وہ کوئی اور نہیں دے سکا۔ ان کی کتاب ''زاد المعاد'' میں ان کے معاشی افکار ملتے ہیں۔ وہ اسلام کے نظام معاش کو دنیا کا بہترین نظام قرار دیتے ہیں۔ ان کے افکار ونظریات کے مطابق اسلامی نظام معیشت کے بغیر انسانی

زندگی کا صحیح راہ پر چلنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ:

''انسان کی معیشت میں جو چیز ناجائز طریقے سے آجائے اس کا کھانا قطعی طور پر حرام ہے۔ چنانچہ جب امام ابن تیمیہ مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے لیے تاتاری بادشاہ سلطان قاذان کے پاس گئے، جو کہ مسلمان ہو چکا تھا، جب یہ وفد سلطان کی مجلس میں پہنچا تو انہوں نے کھانا پیش کیا تو امام صاحب نے فرمایا:

''میں تمہارا وہ کھانا کیسے کھا لوں جو تم نے لوگوں کے مال چھین کر حاصل کیا ہے اور لوگوں کے درختوں سے ہی لکڑی کاٹ کر پکایا ہے۔''

یہاں پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وہ واحد شخصیت تھے جنہوں نے ایسا کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔

امام فارابی رحمہ اللہ:

ابو نصر فریابی 950ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے معاشیات پر بہت کام کیا اور کئی کتابیں لکھیں۔ انہوں نے علم معیشت کے بہت سے پہلوؤں پر ابحاث بھی لکھی ہیں۔ زراعت کو معیشت میں اہم مقام حاصل ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنے نظریات وافکار میں اس بات کو اجاگر کیا کہ معاشرے کے لیے معاش کا ہونا بہت ضروری ہے اور یہ معاش حلال ذرائع سے حاصل کیا جائے تاکہ اس کمائی کو معیشت صالحہ کا نام دیا جا سکے۔

انہوں نے معاشرتی اور معاشی موضوعات پر کچھ کتابیں لکھیں جو درج ذیل ہیں:

- سیاسیات المدينة
- جوامع السياسة
- آراء اهل المدينة الفاضلة
- اجتماعية المدنية

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

شاہ ولی اللہ کا اصل نام ''قطب الدین احمد'' ہے۔ آپ 10 فروری 1703ء کو ضلع مظفر نگر (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ والد کی طرف سے آپ کا نسب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر بہت سی کتابیں لکھیں جن میں معاشیات کے موضوع

کو خوب تفصیل سے بیان کیا۔

شاہ ولی اللہ اقتصادیات و عمرانیات کے ارتقاء کا نظریہ رکھتے تھے۔ بلکہ سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کرنے والے شاہ ولی اللہ ہی ہیں۔ آپ اس نظریہ کے قائل ہیں کہ:

''انسان کو دنیا میں ضرورت پوری کرنے کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے اور دولت انسان کو اخلاقی برائیوں سے بچاتی ہے، لیکن اگر انسان دولت کا غلام بن جائے تو اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، دولت کے زہر سے بچنے کے لیے انسان ایسے اصولوں کو جانتا ہو جو انسان کو معاشی لحاظ سے پستی میں گرنے سے بچانے میں معاون ثابت ہوں۔''

حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

''انسانیت کے اجتماعی اخلاق اس وقت بالکل برباد ہو جاتے ہیں جب کسی کو جبر سے تنگی پر مجبور کیا جائے اور گدھے اور بیل کی طرح صرف روٹی کے لیے کام کرے۔''

معاشیات کے موضوع پر لکھی گئی کتابیں درج ذیل ہیں:

* حجة الله البالغه
* البدور البارعة
* الخير الكثير

ڈاکٹر علامہ اقبال رحمہ اللہ:

علامہ اقبال کو مصور پاکستان کہا جاتا ہے یہی وہ پہلی شخصیت تھی جس نے مسلمانان برصغیر کے لیے ایک علیحدہ ریاست بنانے کا خاکہ پیش کیا۔ ان کے نظریات کے مطابق برصغیر کے مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ ''معاش'' کا تھا۔

چنانچہ علامہ اقبال نے قائداعظم کو خط لکھا جس میں انہوں نے قائداعظم کی توجہ مسلمانوں کی معاشی حالت کی طرف مبذول کراتے ہوئے تقسیم ملک کے مقصد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

''اسلامی قانون کے گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اسلامی قانون کو اچھی طرح سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو کم از کم ہر شخص کے لیے حق معاش محفوظ ہو جائے گا۔''

علامہ اقبال کے اس نظریہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے اسلامی نظام معیشت ہی چاہتے تھے۔

دنیا میں اسلام کے علاوہ جدید معاشی نظریات

اسلامی معاشی نظام ایسا بہترین نظام معیشت ہے جو اپنے اندر علمِ معیشت کے قدیم و جدید نظام ہائے مذہبی و عقلی کے تمام محاسن سموئے ہوئے ہے۔ یہ نظام بہت زیادہ خوبیوں کا مالک اور نقائص سے یکسر خالی نظام ہے۔ اسی طرح اس نظام کو یہ برتری بھی حاصل ہے کہ یہ انسانوں کے دماغ اور سوچ کی اختراع نہیں ہے کہ جس کی بنیاد انتقام یا طبقاتی منافرت جیسی خام کاریوں پر رکھی گئی ہو، بلکہ یہ عظیم معاشی نظام کائنات کے خالق و مالک کا بنایا ہوا نظام ہے۔ دنیا میں اسلام کے علاوہ معاشیات کے جدید نظریات بھی رائج ہیں، جن میں انسان کے طرزِ عمل کا مشاہدہ کر کے اصول وقوانین وضع کیے جاتے ہیں۔

اسلام کے علاوہ معاشیات کے جدید نظریات کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

1۔ جزوی معاشیات 2۔ کلی معاشیات

1 جزوی معاشیات (Micro Economics):

Micro کے لفظی معنی کسی چیز کا دس لاکھواں حصہ ہوتا ہے۔

جب کسی معاشی نظام کے ڈھانچے کا تجزیہ کرنے کے لیے جزوی معاشیات سے مدد لی جاتی ہے تو اس معاشی نظام کو چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے اور ہر اکائی کا انفرادی طور پر تجزیہ کیا جاتا ہے مثلاً قیمتوں کا مطالعہ کرنے کے لیے قیمتوں کے عام معیار کو زیر بحث لانے کی بجائے مختلف اشیاء مثلاً گندم، چاول، چینی اور دالوں وغیرہ کی قیمتوں کو الگ

الگ زیر بحث لایا جاتا ہے۔ گویا جزوی معاشیات میں کسی معاشی نظام کی مختلف اکائیوں اور حصوں کی کارکردگی کا ان کے حصص سے جائزہ لیا جاتا ہے۔ [1]

جزوی معاشیات کے بنیادی نظریات مندرجہ ذیل ہیں۔

① نظریہ پیدائش دولت:

اس شعبہ میں معاشی اشیاء کی پیداوار پر بحث کی جاتی ہے۔ مختلف عوامل پیدائش یعنی زمین، محنت، سرمایہ اور تنظیم کو اکٹھا کرنے کی نسبت سے بات ہوتی ہے نیز یہ بحث بھی ہوتی ہے کہ کس طرح کم از کم مصارف پر اشیاء و خدمات تیار کی جاسکتی ہیں۔

② نظریہ قیمت:

اس شعبہ میں کسی چیز کی طلب اور رسد کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی قیمت کے تعین کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

③ نظریہ رویہ صارف:

اس نظریہ میں صارفین کے طرز عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ہر صارف کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی آمدنی کو مدّات پر اس طرح خرچ کرے کہ ہر ایک مدّ سے اسے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو سکے۔ چنانچہ اس نظریہ میں نظریہ افادہ، عدم ترجیح کے خطوط اور طلب کی لچک وغیرہ کے مسائل زیر بحث لائے جاتے ہیں۔

④ نظریہ تقسیم دولت:

عوامل پیدائش یعنی زمین، محنت، سرمایہ اور تنظیم کے باہمی عمل سے مختلف اشیاء تیار ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس حصے میں ہر عامل پیدائش کا تعین ہوتا ہے۔ مثلاً زمین کا لگان، محنت کی اجرت، سرمائے کا سود اور تاجر کا منافع وغیرہ۔

⑤ نظریہ توازن فرم:

ہر فرم (Industry) کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اتنی اشیاء پیدا کرے جن سے زیادہ

[1] تعارف معاشیات از شیخ مبارک علی، صفحہ 37۔

سے زیادہ منافع حاصل کیا جا سکے۔ اس نظریہ میں توازن کی مختلف صورتوں پر بحث ہوتی ہے۔

② کلی معاشیات (Macro Economics):

Macro کا معنی ہے ''بڑا'' کلی معاشیات یا Macro Economics کا تصور ''لارڈ کینز'' نے پیش کیا تھا۔

کلی معاشیات میں معیشت کا مجموعی حیثیت سے جائزہ لیا جاتا ہے مثلاً قومی آمدنی، مجموعی پیداوار، قومی بچت، مجموعی سرمایہ کاری اور مجموعی طلب و رسد پر بات ہوتی ہے۔

کلی معاشیات کے بنیادی نظریات درج ذیل ہیں۔

① قومی آمدنی اور روزگار کا نظریہ:

اس نظریہ میں قومی آمدنی اور مجموعی روزگار کی متوازن سطح کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ یعنی یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس ملک کی مجموعی آمدنی کیا ہے؟ اور ملک میں مکمل روزگار موجود ہے یا نہیں؟

② قومی آمدنی میں اتار چڑھاؤ کا نظریہ:

اس نظریہ میں قیمتوں کی اوسط سطح میں آنے والے اتار چڑھاؤ سے متعلقہ مسائل مثلاً افراط زر، کساد بازاری، (قیمتوں کا گرنا) اور تجارتی چکروں جیسے مسائل زیر بحث لائے جاتے ہیں۔

③ نظریہ معاشیات زر:

افراطِ زر اور تفریطِ زر سے کسی بھی ملک کی معاشی سرگرمیوں پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں چنانچہ اس نظریہ میں زر کی قدر میں تبدیلیوں کے اثرات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

④ نظریہ بین الاقوامی تجارت:

اس نظریہ میں بین الاقوامی تجارت سے پیدا ہونے والے مسائل خصوصاً کرنسیوں کی شرح مبادلہ سے متعلقہ مسائل، جو کسی بھی ملک کی درآمدات و برآمدات کی اوسط قیمتوں کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، زیر بحث لائے جاتے ہیں۔

⑤ نظریہ معاشی ترقی:

اس نظریہ میں ان معاشی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے جو معاشیات کو ترقی کی راہ پر

گامزن کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

ملحوظہ: مذکورہ نظریات کی بنیاد پر دنیا میں کئی نظاموں نے جنم لیا جنہیں کچھ حکومتوں نے اپنی عوام پر مسلط بھی کیا لیکن وہ نظریات و نظام ہائے معاشی انسانوں کی زندگی کے متکفل نہ بن سکے، کیوں کہ وہ انسانی دماغوں کی اختراع تھے۔ ان نظاموں میں سے دو اہم نظاموں اور نظریوں کا ہم یہاں مفصل بیان کریں گے۔

1- سرمایہ داری نظام (Capitalism) 2- اشتراکیت (Camunism)

1 سرمایہ داری نظام

تعریف:

''ایسا نظام جس میں پیدائش دولت کے آلات و وسائل افراد کی ذاتی ملکیت ہوں اور سرمایہ کی مدد سے مزید دولت یا پیدوار حاصل کرنے کے لیے جو عمل کیا جائے اسے سرمایہ داری نظام یا (Capitalism) کہتے ہیں۔''

انسائیکلو پیڈیا امریکانہ میں سرمایہ داری نظام کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے:

''سرمایہ دارانہ معیشت، معاشی نظام کی ایک ایسی قسم ہے جس میں سرمایہ نجی ملکیت ہوتا ہے اور سرمایہ دار اپنے معاشی کاروبار کی بدولت حصول نفع کی خاطر اسے جس طرح چاہے استعمال میں لانے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔''

سرمایہ دارانہ نظام کی فکری بنیادیں

سرمایہ دارانہ نظام کی فکری بنیادیں مندرجہ ذیل ہیں۔

① مادہ پرستی:

اس نظریہ کے مطابق کائنات کی اصل ''مادہ'' ہے۔ مادہ سے ماوراء کچھ بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کی تمام تر کوششوں کا مرکز و محور مادی احتیاجات کی تسکین ہوتا ہے۔

② فکر و عمل کی آزادی:

سرمایہ دارانہ نظام میں افراد کو تمام شعبہ ہائے زندگی میں فکر و عمل کی مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے۔ ریاست کا مقتدرِ اعلیٰ بھی کسی فرد کی اس آزادی پر پابندی لگانے کا مجاز نہیں۔ اس نظام کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ کامل آزادی کی موجودگی میں ہی انسان اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔

③ ذاتی مفاد کا حصول:

سرمایہ دارانہ نظام میں فرد کی تمام کوششوں کا مقصد ذاتی مفاد کا حصول ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز، رویہ اور عمل درست ہے جس سے فرد کو فائدہ یا مسرت حاصل ہو۔

سرمایہ دارانہ نظام کی خوبیاں

سرمایہ دارانہ نظام کی خوبیاں مندرجہ ذیل ہیں:

① وسائل سے زیادہ سے زیادہ استفادہ:

نجی ملکیت ایک ایسی چیز ہے جس کی بدولت تمام افراد معاشی آزادی ہونے کی وجہ سے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس سے مادی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور قدرتی وسائل سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنا ممکن ہو جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں عوام کو اپنی ضروریات کی تسکین کا سامان بآسانی میسر آ جاتا ہے۔

② صنعتی ترقی:

اس نظام میں ہر آجر (صنعت کار) دوسرے آجر پر سبقت لے جانے کے لیے اشیاء کا معیار بلند سے بلند تر بناتا ہے جس سے ملکی صنعت ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہے۔

③ بہترین معاوضہ:

سرمایہ دارانہ نظام میں ہر شخص کو اس کی قابلیت اور صلاحیت کے مطابق اپنا کردار ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ جو آجر جتنا زیادہ سمجھ دار، مدبر، جرأت مند، بیدار مغز اور دوراندیش

ہونے کا ثبوت دیتا ہے اتنا ہی زیادہ منافع کماتا ہے۔

④ سستی اشیاء کی فراہمی:

اس نظام میں سرمایہ داراروں کے درمیان مقابلے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ہر آجر کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی اشیاء بہترین معیار اور کم قیمت کے ساتھ لوگوں تک پہنچائے تاکہ اس کی اشیاء زیادہ سے زیادہ فروخت ہوسکیں۔ چنانچہ صارفین کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انہیں معیاری اور سستی اشیاء مل جاتی ہیں۔

⑤ نئی نئی ایجادات:

ذاتی منافع کے محرک اور مقابلہ کی موجودگی میں ہر آجر اسی کوشش میں ہوتا ہے کہ نئی نئی ایجادات، کام کے نئے طریقے اور کاروبار کے نظم ونسق کے ایسے اسلوب متعارف کروائے جو پہلے رائج نہ ہوں۔

⑥ مکمل آزادی:

اس نظام میں انسان کی مذہبی، سیاسی اور عقلی آزادی کا مکمل احترام کیا جاتا ہے۔ حکومت کی مخالف جماعتیں بھی آئینی حدود میں رہ کر پوری آزادی کے ساتھ کام کرسکتی ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام کی خامیاں

سرمایہ دارانہ نظام کی خامیاں مندرجہ ذیل ہیں۔

① فکری لغزشیں:

سرمایہ دارانہ نظام جن فکری بنیادوں پر استوار ہے ان سے معاشرے میں کبھی بھی امن و سکون قائم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مادہ پرستی اور فکر وعمل کی آزادی کی وجہ سے معاشرہ اخلاقی اقدار، ہمدردی اور خیر خواہی جیسے جذبات سے خالی ہو جاتا ہے۔ افادیت پسندی افراد کو اجتماعی مفاد سے بے نیاز کر کے خواہش پروری اور لذت پرستی کا اسیر کر دیتی ہے۔ اس طرح معاشرہ ہمیشہ معاشی مسائل سے دوچار رہتا ہے۔

② چھوٹے سرمایہ داروں کا خاتمہ:

اس نظام میں مسابقت اور مقابلہ کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے، لیکن یہ مسابقت چھوٹے سرمایہ داروں کے لیے بہت نقصان دہ ہے؛ کیونکہ چھوٹے سرمایہ دار بڑے سرمایہ داروں کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چھوٹے سرمایہ دار میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

③ غیر منصفانہ تقسیم دولت:

سرمایہ دار اپنے سرمایہ کو کاروبار میں لگا کر اس میں بڑی تیزی سے اضافہ کرلیتا ہے، یعنی سرمایہ سرمائے کو کھینچتا ہے بالآخر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے۔

④ بیروزگاری کا رجحان:

جدت کے اس دور میں نئی نئی ایجادات کی بدولت انسانی محنت روز بروز کم ہو رہی ہے۔ سرمایہ دار کی کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مشینوں کا استعمال کر کے مزدوروں کی تعداد کم کی جائے۔ اس سے بیروزگاری بڑھتی ہے اور مزدور مجبوراً کم سے کم اجرت پر زیادہ سے زیادہ محنت کا سودا کرلیتا ہے۔

⑤ معاشی وسائل کا غلط بہاؤ:

اس نظام کے تحت تمام معاشی وسائل کا رخ ان چیزوں کی پیداوار کی طرف کر دیا جاتا ہے جن میں زیادہ منافع ملنے کی توقع ہوتی ہے، جبکہ یہ اشیاء معاشرے کے لیے انتہائی نقصان دہ ہوتی ہیں۔ مثلاً قومی وسائل کا ایک بڑا حصہ فضول اور تعیش کے ساز و سامان پر صرف اس لیے لگا دیا جاتا ہے کہ اس میں شرح منافع زیادہ ہوتی ہے، جبکہ سماجی اعتبار سے فائدہ مند اور عوام کی حقیقی ضروریات کو پورا کرنے والے پیشے سرمایہ کی قلت کا شکار رہتے ہیں، کیونکہ ان میں منافع کی شرح نسبتاً کم ہوتی ہے۔

⑥ گھریلو صنعت کا استحصال:

گھریلو دستکاریوں اور صنعتوں سے تیار ہونے والا مال کارخانوں کی پیداوار کا مقابلہ

نہیں کر سکتا۔ اس کے سامنے گھریلو صنعتیں اور دستکاریاں دم توڑ دیتی ہیں اور دستکار اپنا آزاد پیشہ چھوڑ کر مزدوری یا ملازمت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

⑦ مزدوروں کا استحصال:

ملک کی زیادہ تر آبادی کا پیشہ نوکری اور مزدوری ہوتا ہے۔ انہیں محنت و مشقت کا معاوضہ صرف اتنا ہی ملتا ہے جس سے بمشکل گزارہ ہو سکے۔ ایک مزدور خواہ کتنی ہی محنت کر لے لیکن ایک معمولی درجہ کے معیار زندگی سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

⑧ مہنگا طرز زندگی:

سرمایہ دارانہ نظام نے پر تعیش اور مہنگے طرز زندگی کو جنم دیا ہے۔ لباس، رہائش، خور دونوش، تعلیم اور علاج معالجہ کا معیار، سرمایہ داروں کی پسند کے مطابق معاشرے میں رائج ہوتا ہے۔ طرز زندگی کی رنگینیوں کو بڑھانے کی وجہ سے اخراجات بھی بڑھ جاتے ہیں، جس کی وجہ سے کم آمدنی والے لوگ پس کر رہ جاتے ہیں۔

⑨ دھوکہ دہی:

اشیاء کی طلب پیدا کرنے کے لیے اشتہار بازی کی مشینری کو حرکت میں لایا جاتا ہے۔ سینما، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات و رسائل کی مدد سے صارفین کو دھوکہ دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ ناقص و غیر معیاری اشیاء مہنگے داموں خریدنے کے عادی بن جاتے ہیں۔

⑩ مذہب سے دوری:

مذہب کا پرچار کرنے والوں کو نظام معیشت و سیاست سے الگ کر کے مسجدوں، گرجا گھروں اور خانقاہوں میں گوشہ نشین کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ ناجائز منافع خوری میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔

اسلام اور سرمایہ دارانہ نظام کا تقابلی جائزہ

اسلام	سرمایہ دارانہ نظام
❊ اسلام کے تصور ملکیت میں ہر شخص کو نجی ملکیت رکھنے کا حق حاصل ہے، لیکن تمام املاک افراد کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، لہٰذا اس کے حکم کے مطابق ہی اسے خرچ کیا جائے۔	❊ سرمایہ دارانہ نظام میں ملکیت کے اکتساب اور استعمال دونوں پر افراد کے مطلق حق کو تسلیم کیا گیا ہے، اس طرح ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ جیسے چاہے کمائے اور جس طرح چاہے خرچ کرے۔
❊ اسلام میں ہر طرح کی ذخیرہ اندوزی سے منع کیا گیا ہے اور ایسا کرنے والے کو گناہ گار قرار دیا گیا ہے۔	❊ جبکہ سرمایہ دارانہ نظام میں بعض اوقات آجر حضرات اشیاء کی مصنوعی قلت پیدا کرنے کے لیے ذخیرہ اندوزی کر لیتے ہیں تاکہ اشیاء کو مہنگے داموں فروخت کیا جا سکے۔
❊ اسلام نے سود کو قطعی طور پر حرام قرار دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ سود آخر کار تباہی و بربادی کی طرف لے جاتا ہے۔	❊ جبکہ سرمایہ دارانہ نظام میں سود کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ تمام شعبوں کی رگوں میں سود خون کی طرح گردش کرتا ہے۔
❊ اسلام جمع دولت کو انسان کے لیے باعث ہلاکت قرار دیتا ہے اور اسلام یہ درس دیتا ہے کہ جو شخص مال جمع کر کے اسے گن گن کر رکھتا ہے تباہی و بربادی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:	❊ سرمایہ دارانہ نظام میں انسان اللہ تعالیٰ کو بھلا کر دولت کے پیچھے اس قدر بھاگتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی یاد ہی نہیں رہتی اس کا مطمع نظر صرف اور صرف مال کمانا اور اسے جمع کر کے رکھنا ہی ہوتا ہے۔

﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ ﴾ (الهمزہ: 1-2)	
✽ اسلام نے بالتفصیل مزدوروں کے حقوق بیان کیے ہیں اور اسلام نے بتلا دیا ہے کہ مزدوروں کے حقوق کا استحصال کرنے والا قیامت کے دن ایک مجرم کی حیثیت سے پیش ہوگا۔	✽ سرمایہ دارانہ نظام میں مزدوروں کا استحصال ہوتا ہے اور مزدوروں کی محنت کا ایک بہت بڑا حصہ اس کی مجبوری اور لاچاری کی وجہ سے سرمایہ دار ہڑپ کر لیتا ہے۔

② اشتراکی نظام معیشت

اشتراکیت سے مراد وہ نظام معیشت ہے:

''جس میں پیداوار کے تمام ذرائع مثلاً سرمایہ، زمین اور املاک وغیرہ حکومت کی ملکیت میں ہوتے ہیں۔ پھر ان عوامل پیدائش سے استفادہ کرنے کا کام ایک مرکزی ادارے کے سپرد ہوتا ہے اور وہ ادارہ فیصلہ کرتا ہے کہ کون سی اشیاء کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں اور انہیں پیدا کرنے کے لیے کون سا طریقہ استعمال کیا جائے۔''

آکسفورڈ ڈکشنری میں اشتراکیت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

''یہ معاشی تنظیم کا ایک ایسا نظریہ ہے جو عوامل پیدائش کی ملکیت اور اجتماعی تصرف کا مدعی ہے جس کا مقصد سب کے مفاد میں ان کی تنظیم و تقسیم ہے۔''

اشتراکیت کو ہی انگریزی میں کمیونزم کا نام دیا جاتا ہے۔

اشتراکیت کے بنیادی تصورات

اشتراکیت کے بنیادی تصورات مندرجہ ذیل ہیں۔

① انفرادی ملکیت کا خاتمہ:

اشتراکی مفکرین کے مطابق انفرادی ملکیت ہی تمام فسادات کی جڑ ہے، اس لیے

اشتراکی نظام میں عوامل پیدائش مثلاً زمین، آلات اور مشینری وغیرہ کو قومی تحویل میں لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس نظام کے تحت اشیاء ضروریہ کے علاوہ کوئی بھی چیز نجی ملکیت میں نہیں رکھی جا سکتی اور نہ ہی نجی کاروبار کرنے کی کسی شخص کو اجازت ہوتی ہے۔

② الحاد اور لادینیت:

اشتراکی تحریک میں مذہب اور خدا کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کارل مارکس کے نزدیک خدا کا تصور ایک واہمہ ہے اور اس عالم کے ارتقائی وجود میں آج کسی بادشاہ یا خدا کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں ہے۔ اس کے نزدیک مذہب لوگوں کے لیے افیون ہے جو انہیں مادی حقائق سے بے نیاز کر کے مابعد الطبیعاتی امور میں الجھا دیتا ہے۔

③ نظریہ قدر زائد کا خاتمہ:

کارل مارکس کے اس نظریہ کی بنیاد پر اشیاء و خدمات کی پیدائش، قدر محنت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ داروں کو مزدوروں کی محنت کا پھل ملتا ہے جبکہ مزدور اپنی محنت کے پورے معاوضے سے بھی محروم رہتا ہے، اس طرح سرمایہ دار قدر زائد کو نفع کی صورت میں اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور مزدور کو وہی کچھ ملتا ہے جس سے دو وقت کی روٹی پوری ہو سکے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ مزدور کے اس استحصال کو ختم کر کے سرمایہ دار کی زیادتی کا علاج کیا جائے، لہٰذا اس کا بہترین حل ''اشتراکیت'' ہے۔

④ طبقاتی کشمکش کا خاتمہ:

کارل مارکس کا کہنا ہے کہ ہر انسانی معاشرے میں امراء و غرباء کے درمیان کشمکش جاری رہی ہے۔ موجودہ دور میں یہ کشمکش سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان پائی جاتی ہے۔

مزدور اور مغلوب طبقے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ سرمایہ دار طبقہ کو یہ بات بہت ناگوار لگتی ہے، کیونکہ مزدور اس سے ان کے مفادات کو دبانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاشرہ میں ایک طبقاتی جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا معاشرے میں اس کشمکش کو دور کرنے کے لیے اشتراکیت کو اپنانا ضروری ہے۔

⑤ جاگیرداروں کے حقوق کا تحفظ:

اشتراکیت کے نتیجے میں ایک ایسا نظام حکومت وجود میں آتا ہے جس کا مقصد مالداروں اور جاگیرداروں کے حقوق کی حفاظت کرنا ہوتا ہے۔ اس نظام میں غرباء کو ان کے حقوق سے محروم کر کے سرمایہ دار طبقہ کی زندگی کو پر تعیش بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اشتراکی نظام معیشت کی خوبیاں

اشتراکی نظام معیشت کی خوبیاں مندرجہ ذیل ہیں:

① ارتکاز دولت کا خاتمہ:

اشتراکی نظام معیشت میں تمام ذرائع پیداوار حکومت کی ملکیت میں ہوتے ہیں۔ کسی شخص کے پاس انفرادی جائیداد نہیں ہوتی۔ ہر شخص کو اس کی ضروریات کے مطابق ہی معاوضہ ملتا ہے، جس کی وجہ سے ارتکاز دولت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

② معذوروں کی بحالی:

جو لوگ حادثہ، بیماری یا کسی اور وجہ سے معذور ہو جائیں اور کام کرنے کے قابل نہ رہیں تو اشتراکی نظام میں مشترک فنڈ سے ان کی مدد کی جاتی ہے۔

③ وسائل کے ضیاع کا خاتمہ:

اشتراکیت ایک ایسا نظام معیشت ہے جس میں ضرورت کے مطابق اشیاء پیدا کی جاتی ہیں۔ اس طرح ایک طرف وسائل کا ضیاع نہیں ہوتا اور دوسری طرف اشتہار بازی کے اخراجات سے بھی نجات مل جاتی ہے۔

④ قابل اور ماہر لوگوں کی حوصلہ افزائی:

اشتراکی نظام کی کامیابی کا انحصار جامع منصوبہ بندی پر ہوتا ہے۔ اس لیے اسے ایسے افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو منصوبہ بندی کے پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں معاون ثابت ہوسکیں۔ اس غرض سے لوگوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ دی جاتی ہے اور

ذہین و قابل اور فنون میں مہارت رکھنے والے لوگوں کو آگے لایا جاتا ہے۔ جس سے ان کے علم و فن کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

⑤ ضروریات زندگی کی فراہمی:

اس نظام کے تحت ہر شخص کو بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ بنیادی ضروریات زندگی میں روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور علاج معالجہ وغیرہ کی سہولیات شامل ہیں۔ معاشرے کے تمام افراد سہولیات سے یکساں استفادہ کرتے ہیں، جس سے معاشرے کے افراد کو معاشی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

⑥ تقسیم دولت کی ناہمواریوں کا خاتمہ:

اس نظام میں کوئی شخص اپنے سرمائے کی بدولت اپنی آمدنی میں بہت زیادہ اضافہ نہیں کرسکتا، کیونکہ تمام ذرائع پیداوار حکومت کی ملکیت میں ہوتے ہیں اور حکومت کی طرف سے ہی ہر فرد کو اس کی ضروریات کے مطابق معاوضہ ادا کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس طرح لوگوں کی آمدن میں بے جا تفاوت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح نہ کوئی جاگیردار رہتا ہے اور نہ ہی کوئی کنگال و مفلس، ٹیکس، سود اور ذاتی منافع کے خاتمہ سے تقسیم دولت کے نظام میں بہتری آتی ہے۔

⑦ کرپشن کا خاتمہ:

کرپشن تب ہی ہوتی ہے جب ذاتی منافع کے حصول کی راہیں کھلی ہوں۔ اس نظام میں چونکہ ذاتی منافع کے حصول کا کوئی ذاتی ذریعہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کرپشن اور معاشی لوٹ کھسوٹ کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے۔

اشتراکی نظام معیشت کی خامیاں

اشتراکی نظام میں جہاں بہت ساری خوبیاں پائی جاتی ہیں وہیں کچھ نقائص بھی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

① آزادی کا خاتمہ:

اشتراکیت کے حامیوں کا دعویٰ ہے کہ اشتراکی نظام کے حامل معاشرہ میں بے روزگاری کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات درست ہے لیکن اس نظام کے تحت انسان دو وقت کی روٹی کے لیے حکومت کا غلام بن کر رہ جاتا ہے، گویا کہ اشتراکی معاشرہ ایک ایسی جیل ہے جہاں لوگ شخصی آزادی اور خود داری جیسے حقوق سے دستبردار ہو کر محض روزگار کے لیے قید ہو جاتے ہیں۔

② پسند و ناپسند کا خاتمہ:

اشتراکی نظامِ معیشت میں تمام اشیاء عمومی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے پیدا کی جاتی ہیں۔ اس میں عوام کی پسند اور ناپسند کا قطعاً خیال نہیں رکھا جاتا۔ اہداف کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے بھی افراد کی سہولت و صلاحیت کو پیشِ نظر نہیں رکھا جاتا، بلکہ تمام فیصلے حکومت کی ترجیحات کے مطابق ہوتے ہیں اور لوگوں سے ان پر جبراً عمل کروایا جاتا ہے۔

③ مادہ پرستی:

اشتراکی نظامِ معیشت کے مطابق زندگی اور کائنات کی ابتداء محض مادہ سے ہے۔ اس لیے انسان کا اصل مسئلہ مادی ضروریات کی تسکین ہے۔ اس تصور سے انسان اپنے اعلیٰ و ارفع مقام سے اتر کر حیوانیت کی سطح پر آ جاتا ہے اور اس کا مقصد صرف اور صرف مادی ضروریات کو پورا کرنا بن جاتا ہے۔ پھر اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے انسان اخلاق اور اعلیٰ کردار کو بھی بھول جاتا ہے۔

④ فکر و عمل کا خاتمہ:

ذاتی منافع کا محرک ختم ہو جانے کی وجہ سے افرادِ معاشرہ میں سوچ و بچار، غور و فکر اور کام کرنے کے لیے نئے نئے انداز کی جستجو کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ایجادات و دریافت کا سلسلہ بہت حد تک متاثر ہوتا ہے اور لوگوں میں معاشی میدان میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا جذبہ مفقود ہو جاتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاشی ترقی کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔

⑤ میدانِ عمل میں ناکامی:

تاریخ گواہ ہے کہ اشتراکی نظامِ معیشت کو عملی میدان میں اپنے مقاصد حاصل کرنے میں زبردست ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ روس اشتراکی نظام کا سب سے بڑا علمبردار ہے، لیکن وہاں ظلم و جبر کا ہر طریقہ استعمال کرنے کے باوجود پیداوار کا معیار انتہائی خراب ہے۔ تمام تر کوششوں کے باوجود دنیا کے سب سے بڑے ملک سے امیر و غریب کا فرق ختم نہ ہو سکا۔ حکمران جماعت سے تعلق رکھنے والے سرکاری عہدیداروں کو بہت زیادہ سہولتیں اور تنخواہیں دی جاتی ہیں، جبکہ عام آدمی کو کام کرنے کا معاوضہ اور دو وقت کی روٹی ملتی ہے۔ اس طرح اشتراکی مفکرین کا یہ دعویٰ بھی اپنی موت آپ مر جاتا ہے کہ اشتراکیت تقسیمِ دولت کی ناہمواریوں کو ختم کرنے کا علمبردار ہے۔

اسلام اور اشتراکی نظام کا تقابلی جائزہ

اسلام	اشتراکیت
❁ اسلام کی رو سے کائنات کی سب سے اہم اور بنیادی حقیقت اللہ تعالیٰ کا وجود ہے۔ خالقِ کائنات نے اپنی حاکمیت اور ربوبیت کے اظہار کے لیے مخلوق کو پیدا فرمایا، اس لیے انسان کی زندگی بھی اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تابع ہے۔	❁ اشتراکی نظام میں اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کیا جاتا ہے اور مادہ کو ہی خالق کا مقام حاصل ہے، اس کے مطابق تصورِ کائنات کے پیچھے کوئی قوت موجود نہیں ہے، لہٰذا اس نظام کے مطابق انسان کو انسانی قوانین ہی کا پابند بنایا جا سکتا ہے۔
❁ اسلام کا بنیادی نقطۂ نظر اخلاق ہے وہ تمام معاملاتِ زندگی کو خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، خانگی ہوں یا تمدنی، سیاسی ہوں یا معاشی، روحانی ہوں یا مادی، اخلاق کا پابند	❁ اشتراکیت اخلاق کو مخصوص طبقاتی حالات کی پیداوار مانتا ہے اور کسی بھی مستقل اخلاقی قدر یا اصول کا قائل نہیں۔ اخلاق کی اولیت وفوقیت تو دور کی بات ہے

کرتا ہے۔	وہ اسے کوئی مستقل اہمیت ہی نہیں دیتا۔
※ اسلام کے نزدیک ذاتی ملکیت انسان کا فطری حق ہے، لہٰذا اسلام ہر شخص کی جائز کمائی کو اس کی ذاتی ملکیت قرار دیتا ہے البتہ اس کے استعمال پر کچھ پابندیاں اور اصول و ضوابط ضرور عائد کرتا ہے تاکہ معاشرہ کے محروم طبقات کو ان کا حق بھی مل جائے اور معاشرہ فساد اور بدامنی کا شکار نہ ہو۔	※ اشتراکیت انسان کو اس کے فطری حق سے محروم کر دیتی ہے۔ اس طرح ایک مخصوص گروہ کو من مانی کرنے کا حق یا موقع مل جاتا ہے اور معاشرے میں بدامنی، فساد اور بے یقینی کی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔
※ اسلام بتدریج اصلاح کرتا ہے۔ وہ سب سے پہلے انسان کے ایمان کی اصلاح کرتا ہے اور پھر اسے اعمال صالحہ کے زیور سے آراستہ کرتا ہے اور اس معاملے میں وہ کسی طرح کے جبر و تشدد کا قائل نہیں ہے۔	※ اشتراکیت تعلیم و تربیت کی بجائے خونریز انقلابات کی داعی ہے، اس کے نزدیک فرد کی اصلاح تب ہی ہو سکتی ہے جب اجتماعی نظام کو بزور طاقت بدل دیا جائے۔
※ اسلام نے مزدور کے حقوق کو مکمل تحفظ دیا ہے اور یہ تاکید کی ہے کہ جس مزدور سے محنت لی جائے اس کے معاوضے کی مکمل اور فوری ادائیگی کو یقینی بنایا جائے۔ اسلام نے مزدور کے استحصال کو روکا اور اس کے حقوق کے تحفظ کے لیے قانون سازی کی ہے۔	※ اشتراکیت میں مزدور کی ضروریات کا تعین حکومت خود کرتی ہے اور اس کے مطابق اسے زر کفالت دیتی ہے، مثلاً اگر مزدور کی ضروریات حکومت کے مطابق 200 روپے ہے لیکن مزدور 400 روپے کا کام کرتا ہے تو اس طرح مزدور کے 200 روپے حکومت غصب کر لیتی ہے۔ اس طرح مزدور کا استحصال ہوتا ہے اور اسے محنت کا پورا معاوضہ نہیں ملتا۔

※ اسلام انسان کو آزادی رائے اور مذہب کی آزادی جیسے بنیادی حقوق فراہم کرتا ہے۔ اسلام میں ایک عام شہری کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ خلیفہ کے سامنے کھڑا ہو کر اس پر تنقید کر سکے۔	※ اشتراکی نظام میں ایسی آزادی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اس کی مثال روسی سائنسدان ڈاکٹر سخاروف ہیں، جنہوں نے ہائیڈروجن بم بنایا اور نوبل انعام حاصل کیا لیکن جب اس نے یہ کہا کہ لوگوں کو اظہار رائے کی آزادی ہونی چاہیے تو اسے طویل عرصہ نظر بند رکھا گیا پھر اغوا کیا گیا اور اس کے بعد اس کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔
※ اسلام نے خاندانی نظام کو مضبوط اور مربوط کرنے کے لیے نکاح، طلاق، خلع، رضاعت اور عدت وغیرہ کے بارے "Human Rights" (انسانی حقوق) کا ایک مثالی نظام بنایا ہے۔ اسلام نے عورت کو ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے ایک اعلیٰ وارفع مقام عطا کیا ہے۔	※ اشتراکیت نے انسانیت کی جگہ حیوانیت کو فروغ دیا، اس نظام میں عورت و مرد کے جنسی اختلاط کی کوئی حد مقرر نہیں۔ زمین، سرمایہ اور جائیداد کی طرح عورت بھی تمام افراد کی مشترکہ ملکیت ہے۔ روس کے قوانین کے مطابق مرد و عورت کو تعلقات بنانے کے لیے کسی نکاح یا عقد کی ضرورت نہیں، وہ جب تک چاہیں میاں بیوی کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔
※ نظام حکومت کے حوالے سے اسلام نے یہ تصور دیا ہے کہ کوئی بھی خلیفہ، امیر یا حاکم اپنا قانون نافذ نہیں کر سکتا بلکہ وہ ایک حقیقی، ازلی اور ابدی مقتدر اعلیٰ یعنی "اللہ تعالیٰ" کے قوانین کا پابند ہے۔	※ اشتراکی نظام میں حاکم کی حیثیت آمر کی ہے جس کے اختیارات غیر محدود اور جس کا ہر حکم قانون ہے اور وہ خود کسی قانون کا پابند نہیں ہوتا۔ [1]

[1] ان ابحاث کی مزید تفاصیل جاننے کیلئے دیکھئے، ڈاکٹر منور حسین چیمہ کی کتاب اسلام اور جدید اقتصادی نظریات۔

سوالات

1- علم اقتصاد کی لغوی و اصطلاحی تعریف کریں؟

2- معاشی نظام کی اہمیت و ضرورت پر نوٹ لکھیں؟

3- اسلام کے علاوہ جدید معاشی نظریات کا خاکہ پیش کریں؟

4- مسلم مفکرین کے اقتصادی افکار کا جائزہ پیش کریں؟

5- سرمایہ داری نظام کا تعارف اور خوبیاں و خامیاں بیان کریں؟

6- اشتراکیت پر نوٹ لکھیں؟

2

اسلام کا نظام معیشت

- اسلامی نظام معیشت کی تعریف
- اسلامی نظام معیشت کی خوبیاں
- اسلامی نظام معیشت کی بنیادی اصطلاحات
- انفرادی حق ملکیت، اوقاف
- اکتناز، احتکار، شفعہ
- خراج، جزیہ

اسلامی نظامِ معیشت

یہ بات کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی کہ اسلام نے اپنی اساسی روش کے مطابق عبادات، اخلاقیات، سیاسیات، معاشرتی معاملات اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح معاشیات میں بھی ایسے بنیادی اصول مقرر فرمائے ہیں جن میں رفاہیت اور عام خوشحالی کا پیغام ہے۔ یعنی اسلام ایک ایسے معاشی نظام کا بانی اور موسس ہے جس کی بنیاد صرف کائنات انسانی کی رفع حاجات وضروریات اور انفرادی واجتماعی احتیاجات کی تکمیل پر قائم ہے۔

اسلام معاشیات کو دولت مندوں کے درمیان نفع کی دوڑ کا میدان نہیں بنانا چاہتا، بلکہ رفع حاجات وتکمیلِ ضروریات کے لیے ایک مفید اور نفع بخش ذریعہ بنا کر اس کی افادیت کو عام کرنا چاہتا ہے۔

تعریف:

"اسلامی نظام معیشت سے مراد ایسا بہترین نظام ہے جو اپنے اندر علم المعیشت کے قدیم وجدید نظام ہائے مذہبی وعقلی کے تمام محاسن سموئے ہوئے ہے۔ دنیا کے تمام نظاموں سے بڑھ کر خوبیوں کا مالک اور نقائص سے یکسر خالی، بلکہ ان کے مسموم اثرات کا بے مثال تریاق ہے۔ ان محاسن کے علاوہ اسلام کو یہ برتری حاصل ہے کہ یہ نظام انسانوں کے دماغ کی اختراع نہیں ہے کہ جس کی بنیاد انتقام یا طبقاتی منافرت جیسی خام کاریوں پر رکھی گئی ہو بلکہ اسلامی نظام معیشت خالق کائنات کا بنایا ہوا بہترین نظام ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ

بَعْضٍ﴾ (الزخرف:32)

"دنیوی زندگی میں ہم نے ان کی معیشت کو ان کے درمیان تقسیم کر دیا ہے اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض پر فوقیت عطا کی ہے۔"

اسلامی نظامِ معیشت کی خوبیاں

اسلام اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین ہے جو کہ ہر لحاظ سے خوبیوں سے بھرا پڑا ہے۔ اسلام کے جس قانون اور نظام کو پڑھ کر دیکھ لیں آپ کو خوبیوں سے مرصع نظر آئے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نظام میں انسانوں کا عمل دخل نہیں ہے۔ اسلام کا نظام معیشت دنیا کا سب سے بہترین نظام ہے اور خالق کائنات نے اسے انسانوں کی ضروریات کے مطابق ہی بنایا ہے۔ اسلامی نظام معیشت کی بہت سی خوبیاں آپ اسلام اور سرمایہ داری اسی طرح اسلام اور اشتراکیت کے موازنہ میں پڑھ چکے ہیں۔ یہاں مزید کچھ خوبیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

1 حق معیشت میں مساوات:

اسلام کے نظام میں یہ نظریہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ معیشت ہر جاندار کا بنیادی حق ہے اور اس میں ہر جاندار برابری کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک انسان کو معیشت ملے اور دوسرے کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ﴾

(الاعراف:10)

"اور ہم نے ہی زمین میں تمہارا ٹھکانہ بنایا اور اس میں تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کیا۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی خاص گروہ کے لیے نہیں سب کے حقِ معیشت کا بتایا ہے۔

2 درجات معیشت میں تفاوت:

یہ حقیقت ہے کہ اگر انسانوں کے پاس ایک جیسی دولت آجائے تو دنیا کا نظام نہیں چل

پائے گا۔ اس نظام معیشت کو چلانے کے لیے معیشت کے درجات میں تفاوت کا ہونا ضروری ہے۔ اسلام نے حق معیشت سب کے لیے رکھا ہے، لیکن معیشت کے درجات میں فرق ہے۔ مثلاً کوئی امیر ہے کوئی غریب اور کسی کے پاس تھوڑا ہے تو کسی کے پاس زیادہ، لیکن درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر قائم ہے کہ کسی حالت میں بھی لوگوں کے درمیان وجہ ظلم نہیں بن سکتا۔ انسان معیشت میں سے اپنی محنت کے مطابق حصہ لے لیتا ہے اور یہ اللہ نے درجات بنا دیے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ﴾ (النحل: 71)

"اور اللہ نے رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔"

3 میانہ روی کا حکم:

اسلام نے نظام معیشت کو مضبوط کرنے کے لیے ہر شخص کو خرچ کرنے میں میانہ روی اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور ایسے لوگوں کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾

(الفرقان: 67)

"اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ ہی تنگی سے کام لیتے ہیں، بلکہ اپنی گزران میں اعتدال رکھتے ہیں۔"

4 حلال وحرام کا خیال:

اسلام نے صرف حلال چیزیں کھانے کا حکم دیا ہے اور حرام سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ اور یہ امتیاز صرف اسلامی نظام معیشت کو ہی حاصل ہے کہ اس نے حرام چیز کے کاروبار کو بھی حرام ٹھہرایا ہے۔ نیز اسلام نے حرام ذرائع سے حاصل ہونے والی حلال اشیاء کو بھی حرام کے زمرے میں ہی رکھا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اسلام کے نظام معیشت میں خوبیاں ہی خوبیاں آپ کو ملیں گی۔ ان کے علاوہ اسلام کے نظام میں درج ذیل خوبیاں ہیں۔

- حق ملکیت
- احتکار کا خاتمہ
- اکتناز کا خاتمہ
- مزدوروں کے حقوق کی پاسداری
- حاکمیت الٰہی
- اخلاقی اقدار
- آزادی رائے
- درس انسانیت
- بہترین نظام حکومت

ان کی تفاصیل میں جانے کے لیے سرمایہ داری نظام اور اشتراکیت میں باہمی تقابل (صفحہ 27، 28 اور 34، 35، 36) کا مطالعہ کریں۔

اسلامی نظام معیشت کی بنیادی اصطلاحات

اسلامی نظام معیشت کے کی بنیادی اصطلاحات مندرجہ ذیل ہیں:

1. انفرادی حق ملکیت
2. اوقاف
3. اکتناز
4. احتکار
5. شفعہ
6. خراج
7. جزیہ

1 انفرادی ملکیت

انفرادی حق ملکیت کو مندرجہ ذیل نکات کی روشنی میں واضح کیا جا سکتا ہے۔

- تعریف انفرادی حق ملکیت
- انفرادی حق ملکیت قرآن کی روشنی میں
- ☆ انفرادی حق ملکیت حدیث کی روشنی میں
- انفرادی حق ملکیت کی حدود وشرائط
- انفرادی حق ملکیت اسلامی قوانین کی روشنی میں

تعریف انفرادی حق ملکیت:

''جب کوئی شخص کسی مال پر جائز طریقے سے قبضہ کر کے اس میں حسب منشاء تصرف کرنے کا حق دار بن جائے تو اسے ''انفرادی حق ملکیت'' کہتے ہیں۔''

اسلام کے نظام معیشت میں انفرادی ملکیت کا وجود اور تصرف بدرجہ اُتم موجود ہے اور یہ ملکیت گھر، زمین، باغات، نقدی اور آرائش وزیبائش کی تمام اشیاء کو شامل ہے۔

انفرادی حق ملکیت قرآن کی روشنی میں:

قرآن کریم میں بھی انفرادی حق ملکیت کا اثبات ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ (النور:27)

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہو، یہاں تک اجازت طلب کرو اور ان کے رہنے والوں کو سلام کہو یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے گھروں میں انفرادی حق ملکیت کو واضح کیا ہے۔ اسی طرح فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴾ (الکھف: 32)

''اور ان کے لیے ایک مثال بیان کرو، دو آدمی ہیں جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیے اور ہم نے ان دونوں کو کھجور کے درختوں سے گھیر دیا اور دونوں کے درمیان کچھ کھیتی رکھی۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے باغات میں انفرادی حق ملکیت کو بیان کیا ہے۔ اسی طرح زمین اور گھروں میں انفرادی حق ملکیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴾ (الاحزاب: 27)

''اور تمہیں ان کی زمین، ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث بنا دیا اور اس زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا تھا اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔''

انفرادی حق ملکیت حدیث کی روشنی میں:

قرآن کریم کی طرح احادیث مبارکہ میں بھی انفرادی حق ملکیت کو واضح کیا گیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ)) ❶

''جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔''

اسی طرح خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

((فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ)) ❷

''تمہارے خون، مال اور عزتیں ایک دوسرے پر حرام کر دی گئیں۔''

سیّدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا، فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ)) ❸

''جو شخص ظلم کے ساتھ کسی کی ایک بالشت زمین پر قبضہ کر لے گا قیامت کے دن اسے سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔''

مذکورہ احادیث کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن میں انفرادی حق ملکیت کو ثابت کیا گیا ہے۔

انفرادی حق ملکیت کی حدود وشرائط:

اسلام کا معاشی نظام زمین اور ذرائع پیداوار میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے، لیکن

❶ صحیح بخاری 2480۔ ❷ صحیح بخاری 1739۔
❸ الصحیح للبخاری: 3198، مسلم: 1610۔

اس میں بے اعتدالی اور ظالمانہ روش کا قائل نہیں ہے۔ اسلام ایک طرف قوانین فطرت کے ساتھ مطابقت کے لیے زمین اور وسائل پیداوار میں انفرادی ملکیت کو جائز قرار دیتا ہے اور دوسری جانب اجتماعی مفادات کے پیش نظر اس پر ایسی حدود و شرائط مقرر کرتا ہے جس کی وجہ سے انفرادی ملکیت میں اعتدال اور توازن حقیقی برقرار ہے۔ اس کی حدود کے بارے جو باتیں بنیادی طور پر ذکر فرمائی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

❁ پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ ہر چیز کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ (الحدید:1)

”اللہ کا پاک ہونا بیان کیا ہر اس چیز نے جو آسمان و زمین میں ہے اور وہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“

❁ مال خرچ کرنے میں اسراف و تبذیر سے کام نہ لیا جائے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ﴾ (الاعراف: 31)

”کھاؤ اور پیو لیکن حد سے نہ بڑھو۔“

اسی طرح فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝﴾

(بنی اسرائیل:27)

”بے شک بے جا خرچ کرنے والے ہمیشہ سے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان ہمیشہ سے اپنے رب کا بہت ناشکرا ہے۔“

❁ میانہ روی معیشت کی عادلانہ راہ ہے۔ اسی سے ہی اجتماعی نظام معیشت مضبوط ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝﴾ (بنی اسرائیل:29)

”اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا کر لے اور نہ اسے کھول دے پورا کھول دینا ورنہ ملامت کیا ہوا تھکا ہارا ہو کر بیٹھ رہے گا۔“

❁ فرد چونکہ جماعت یا معاشرے کا ایک رکن ہوتا ہے، اس لیے اس کی انفرادی آمدنی پر کچھ اجتماعی حقوق بھی عائد ہوتے ہیں اور کسی بھی فرد کی انفرادی ملکیت جس قدر زیادہ ہو اسی نسبت سے اس پر حقوق بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝﴾ (الذاریات: 19)

”اور ان کے اموال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا حق ہے۔“

❁ اسلامی نظام معیشت میں اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے خوراک، لباس، رہائش اور علاج معالجے کا اہتمام کرنا انفاق فی سبیل اللہ پر مقدم اور اولین فرض ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ: 219)

”وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ کہہ دیجئے جو ضرورت سے زائد ہو، اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔“

انفرادی حق ملکیت اسلامی قوانین کی روشنی میں:

کتب فقہ کے مطالعہ سے اسلام کے اقتصادی نظام کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ ان سے بھی نجی ملکیت کا ثبوت ملتا ہے۔ ان میں سے چند ایک قوانین مندرجہ ذیل ہیں۔

- قانون زکوۃ
- قانون نذر و کفارات
- قانون عشر
- قانون ضیافت
- قانون نفقات
- قانون کفالت
- قانون صدقات
- قانون مشارکت
- قانون وصیت
- قانون ماعون

* قانون وراثت
* قانون وقف
* قانون غنائم
* قانون اجرت ❶

❷ اوقاف

تعریف:

اوقاف ''وقف'' کی جمع ہے جس کا مطلب ہے کہ کوئی بھی چیز اپنی ذاتی ملکیت سے نکال کر اللہ کی راہ میں دے دینا۔

ترغیب اوقاف:

وقف جیسی خوبی سرمایہ داری اور اشتراکی نظام میں بالکل ناپید ہے۔ یہ خوبی صرف اسلام کے نظام معیشت میں ہی پائی جاتی ہے تاکہ معاشرے کے نادار اور مفلس لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے متمول لوگوں کو خرچ کرنے کی ترغیب دی جا سکے۔

صحیح بخاری میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران:92)

''تم پوری نیکی ہرگز حاصل نہیں کر سکتے یہاں تک کہ اس میں سے کچھ خرچ کرو جس سے تم محبت رکھتے ہو۔''

نازل ہوئی تو ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ مسجد کے سامنے جو میرا باغ ہے وہ مجھے بہت پیارا ہے، میں اسے اللہ کی راہ میں دیتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((بَخٍ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَاِنِّي سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَاَنِّي اَرٰى اَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْاَقْرَبِيْنَ))

''شاباش! یہ بہت نفع بخش مال ہے، یہ بہت نفع بخش مال ہے، میں نے تمہاری

❶ اسلام اور جدید اقتصادی نظریات از ڈاکٹر منور حسین۔

بات سن لی ہے، اور میرا خیال ہے کہ تم اسے اپنے قرابت داروں میں تقسیم کر دو۔''

اسلام نے اہل ثروت و دولت کے اجتماعی حقوق سے تغافل کو دور کرنے اور جذبات عالیہ و اخلاق حسنہ کی روح بیدار کرنے کے لیے ان کی فاضل دولت کو کار خیر میں صرف کرنے اور اجتماعی حیات کو فروغ دینے کے لیے، اپنا کچھ مال اللہ کے لیے وقف کر دینے کو مشروع کیا ہے۔ انسان موت کے فولادی پنجے کی گرفت میں آنے سے پہلے بحالت صحت و تندرستی کمال حوش و ہواس کے ساتھ اپنی دولت و ثروت کا کچھ حصہ صدقہ جاریہ کے طور پر دے دے تو اسے ''وقف'' کا نام دیا جاتا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهُ)) ❶

''جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے لیکن تین چیزیں ہیں جن کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ، نفع بخش علم اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔''

اقسام اوقاف:

وقف کی دو قسمیں ہیں:

* وقف علی الاھل (وقف اہلی)
* وقف علی الخیر (وقف خیری)

① وقف اہلی:

''جس چیز کو اپنی اولاد یا عزیز و اقارب کے لیے وقف کیا جائے اسے ''وقف اہلی'' کہا جاتا ہے۔''

سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا وقف اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔

❶ صحیح مسلم: 1631.

② وقف خیری:

''فی سبیل اللہ کے تمام کاموں پر صرف ہونے والا وقف "وقف علی الخیر" کہلاتا ہے۔'' سیدنا ابن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کا وقف، وقف علی الخیر کی قسم سے تھا۔

شرائط اوقاف:

کسی بھی چیز کو وقف کرنے کے لیے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

* جو چیز بھی وقف کی جائے وہ صرف اللہ کے لے ہو، لہٰذا اسے فروخت کیا جا سکتا ہے نہ ہی ہبہ۔
* وقف میں تائید کا ہونا ضروری ہے یعنی وہ چیز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وقف کر دی جائے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ واقف کے مرنے کے بعد وقف شدہ چیز اس کے ورثاء میں تقسیم ہو جائے۔

③ اکتناز

لغوی تعریف:

اکتناز مادہ "کنز" (ک،ن،ز) سے مشتق ہے۔ لغوی لحاظ سے کنز سے مراد وہ مال ہوتا ہے جسے محفوظ کر کے رکھا گیا ہو، وہ کسی ظرف میں محفوظ ہو یا زمین میں دفن کیا گیا ہو۔

قرآن کریم میں یہ لفظ بڑی دولت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ ﴾ (ھود: 12)

''انہوں (کفار) نے کہا: اس (محمد ﷺ) پر خزانہ کیوں نازل نہیں ہوا۔''

اصطلاحی تعریف:

اصطلاح شریعت میں وہ مال جسے جمع کر کے رکھا جائے اور اس کی زکوۃ ادا نہ کی جائے، ''کنز'' کہلاتا ہے۔

لیکن یاد رہے جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں رہتا۔

حرمت اکتناز:

اسلام اس بات کی سخت مذمت کرتا ہے کہ انسان ہر وقت دولت سمیٹنے کی فکر میں رہے اور معاشرہ کے محتاج و مفلس افراد کو بالکل فراموش کر دے۔ جو لوگ ہر وقت دولت جمع کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور اس دولت کو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں اور نہ ہی زکوٰۃ دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو بہت سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں، جن کا اجمالی تذکرہ ذیل کی سطور میں کیا جاتا ہے۔

① دردناک عذاب کی بشارت:

جو لوگ اپنے مال میں اضافے کے لیے جائز اور ناجائز طریقوں کی پرواہ نہیں کرتے اور مال اکٹھا کرنے کے بعد زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتے، قرآن کریم میں انہیں بہت تکلیف دہ عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ ﴾ (التوبہ: 34-35)

''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔ جس دن اسے جہنم کی آگ میں گرم کر کے ان کے ماتھوں، پہلوؤں اور پشتوں پر داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا چنانچہ جو تم نے جمع کیا اس کو چکھو۔''

اس طرح سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص سونا، چاندی جمع کرتا ہے اور اس سے اللہ کے حق ادا نہیں کرتا، قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی ان کو جہنم کی آگ میں گرم

کیا جائے گا اور پھر ان کے پہلوؤں اور پیشانیوں کو داغا جائے گا۔"❶

② باعث بخل:

اکتناز بخل کا باعث بنتا ہے۔ اور بخل یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی جائز ضروریات پر بھی مال خرچ نہ کرے، جبکہ بخل انسان کی ہلاکت کا باعث بنتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ ﴾

(آل عمران: 180)

"جنہیں اللہ نے مال دیا ہے اور وہ اس میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کام ان کے حق میں اچھا ہے، بلکہ برا ہے اور قیامت کے دن ان کے بخل کی وجہ سے انہیں طوق ڈالے جائیں گے۔"

③ دنیا و آخرت میں باعث ذلت:

وہ مال جسے جمع کر کے رکھا جائے اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے، ایسا مال قیامت کے دن انسان کو ساری انسانیت کے سامنے ذلیل و رسوا کرے گا۔ اس بارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی، وہ مال قیامت کے دن اس کے لیے گنجا سانپ بنایا جائے گا، جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نکتے ہوں گے اور وہ سانپ اس کی گردن میں بطورِ طوق ڈالا جائے گا۔ پھر سانپ اس کے منہ کے دونوں کناروں کو پکڑ کر کہے گا:

(أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ)❷

"میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔"

اسی طرح یہ مال دنیا میں بھی ذلت کا باعث بنتا ہے۔

چنانچہ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

❶ صحیح مسلم: 987.
❷ الصحیح للبخاری: 1403، مسلم: 988-

"جس نے سونے چاندی سے پیار کیا، اللہ نے اسے ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا۔"

اکتناز کے نقصانات:

کسی بھی نظام معیشت میں اکتناز کے مندرجہ ذیل نقصانات ہوتے ہیں:

① گردش دولت کا خاتمہ:

اکتناز کے نتیجے میں گردش دولت بند ہو کر دولت چند ہاتھوں میں محدود ہو جاتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ملکی ترقی رک جاتی ہے۔ اسلام میں نظام زکوٰۃ و صدقات کو اسی لیے رائج کیا گیا ہے تا کہ دولت کی گردش ہوتی رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ۚ ﴾ (الحشر: 7)

"تا کہ یہ دولت تمہارے مالداروں کے ہاتھوں میں ہی گردش نہ کرتی رہے۔"

② جرائم میں اضافہ:

جب معاشرے کے نادار افراد کو ان کا حق نہ ملے تو وہ چوری ڈکیتی اور اغواء برائے تاوان جیسے جرائم کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں، جس سے معاشرے کا امن تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ اکتناز کی بجائے جب مال کا حق زکوٰۃ و صدقات کی صورت میں نکلتا رہے گا تو معاشرے کے نادار افراد کی مدد ہوتی رہے گی۔

دنیاوی محبت کا باعث:

انسان دولت کو اسی وقت جمع کرتا ہے جب وہ دنیاوی مال سے محبت کرتا ہے، جو انسان مال سے محبت کرنے لگ جائے وہ آخرت کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے اور مال سے محبت دنیاوی جاہ و عظمت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ﴾

(آل عمران: 14)

"لوگوں کے لیے عورتوں، بیٹوں، سونے و چاندی کے ڈھیروں، نشان زدہ گھوڑوں، جانوروں اور کھیتوں کی خواہش کی محبت مزین کر دی گئی ہے، یہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے ہاں بہترین لوٹنے کی جگہ ہے۔"

③ طبقاتی تقسیم کا باعث:

اکتناز کی صورت میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے جس کے نتیجے میں معاشرے کے نادار و مفلس افراد مزید غربت کا شکار ہو جاتے ہیں اور معاشرہ خوشحال اور بدحال طبقوں میں تقسیم ہو کر رہ جاتا ہے۔

④ بے روزگاری کا باعث:

اکتناز دولت بے روزگاری کا بہت بڑا سبب ہے۔ جب لوگ اپنے مال کو جمع کر کے رکھ لیں گے اور اسے روزگار میں نہیں لگائیں گے تو روزگار کے نئے مواقع پیدا نہیں ہوں گے جس سے نئی نسل بے روزگار رہے گی۔

4 احتکار

تعریف:

"غلہ اور دوسری اشیاء کو اس مقصد کے لیے جمع کر لینا کہ ان کی قیمتیں بڑھ جائیں اور من مانی قیمت وصول کی جائے "احتکار" کہلاتا ہے۔"

عام طور پر اشیاء کی رسد کو روک کر مصنوعی قلت پیدا کی جاتی ہے اور جب طلب بڑھ جاتی ہے اور قیمتیں بھی زیادہ ہو جاتی ہیں تو آہستہ آہستہ مال کو مارکیٹ میں لایا جاتا ہے۔ عام الفاظ میں اسے ذخیرہ اندوزی کہا جاتا ہے۔

"ذخیرہ اندوزی کرنے والے کو "مُحتِکر" کہتے ہیں۔"

احتکار کے بارے اسلام کا موقف:

اسلامی معیشت کی روح سرمایہ دارانہ نظام کے سخت خلاف ہے۔ اسلام افراد کو فطری

مقابلہ کی آزادی دیتا ہے، لیکن احتکار کی کسی صورت بھی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ تاجر اپنا مال مارکیٹ میں لائے اور جتنا منافع ملتا ہے لے کر فروخت کر دے۔

نبی ﷺ نے احتکار کی سخت الفاظ میں مذمت فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خاطِئٌ))❶

"غلہ روکنے والا گناہ گار ہے۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ))❷

"بازار میں مال لے کر آنے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور غلہ روکنے والے پر لعنت ہوتی ہے۔"

احتکار کے خاتمہ کے لیے اقدامات:

ذخیرہ اندوزی کے خاتمے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے جا سکتے ہیں:

① اخلاقی دباؤ:

حکومت کاربار کرنے والوں کو اخلاقی طور پر قائل کرے کہ وہ کاروبار کے دوران کوئی بھی ایسا اقدام نہیں کریں گے جو صارفین کے لیے پریشانی کا باعث بنے، نیز تاجروں کو باہمی ایثار و قربانی کی تاکید کی جائے۔

② قانونی دباؤ:

احتکار کو روکنے کے لیے اسلام صرف اخلاقی دباؤ پر ہی زور نہیں دیتا، بلکہ قانونی وسائل کو بھی استعمال کرتا ہے۔ اسلام نے حکومت کو اختیار دیا ہے کہ وہ "محتکر" کو مجبور کرے کہ وہ اپنے تمام ذخیرہ کو نکال کر اس قیمت پر فروخت کرے جو حکومت کی نظر میں مالک اور صارف کے حق میں بہتر ہو۔ یہ کام ان خصوصی ذمہ داریوں میں سے ایک ہے جو محتسب پر ڈالی گئی ہیں، جو معاملات وغیرہ سے متعلق تمام امور کو شرعی احکام کے مطابق نافذ کرانے میں

❶ الصحیح مسلم: 1608۔ ❷ سنن ابن ماجه 2153۔

سرکاری وکیل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ امام مالک نے اپنی موطا میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اعلان کروا دیا کہ ہمارے بازار میں کوئی شخص ذخیرہ اندوزی نہ کرے۔ جن لوگوں کو اللہ نے فراوانی اور دولت سے نوازا ہے انہیں اس چیز کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ وہ اللہ کے اس رزق کو جو اس نے ہمیں عطا کیا ہے ہم سے روک لے۔ ❶

③ مارکیٹ کی نگرانی:

حکومت ذخیرہ اندوزی کرنے والے کو روکنے کے لیے اپنے کارندوں کو بازار کی تازہ صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے مقرر کرے۔ جہاں بھی ذخیرہ اندوزی کی فضا پیدا ہو وہاں حکومت فوری کاروائی عمل میں لائے۔

ملاحظہ:

"احتکار کے جواز کی ایک صورت ہے؛ وہ یہ کہ اگر کوئی چیز عام مل رہی ہو اور اسے ذخیرہ کرنے سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو تو اسے ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔"

⑤ شفعہ

تعریف:

شفعہ کے لفظی معنی ہیں، "ملانا۔" جبکہ اصطلاح شریعت میں شفعہ اس جائیداد کو کہا جاتا ہے جس میں پڑوسی خریدنے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی جائیداد، گھر یا زمین وغیرہ فروخت کرنا چاہتا ہو تو وہ سب سے پہلے اپنے پڑوسی پر پیش کرے، اگر وہ اسے نہ خریدے تو پھر کسی اور کے ہاتھ بیچ دے، لیکن اگر بیچنے والا اپنے پڑوسی کے علم میں لائے بغیر جائیداد کو بیچ دیتا ہے تو شریعت نے اس ہمسائے کو حق دیا ہے کہ وہ عدالتی کاروائی کے ذریعے اس بیع کو فسخ کروا کر خود خرید سکتا ہے۔

❶ موطا امام مالک، البیوع، باب الحکرۃ والتربص 2/ 651۔

اسلام میں قانون شفعہ:

نبی ﷺ نے ہر ایسے مال میں شفعہ کا حق قائم رکھا ہے جو تقسیم نہ ہوا ہو۔ چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((اَلشُّفْعَةُ فِيْ كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ ، وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلاَ شُفْعَةَ)) ❶

"شفعہ ہر اس چیز میں ہے جو تقسیم نہ ہوئی ہو۔ جب حدود قائم ہو جائیں اور راستے تبدیل ہو جائیں تو پھر شفعہ نہیں ہے۔"

اسی طرح جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ لَهُ شَرِيْكٌ فِيْ حَائِطٍ ، فَلاَ يَبِعْ نَصِيْبَهُ مِنْ ذٰلِكَ حَتّٰى يَعْرِضَهُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ)) ❷

"جس آدمی کے باغ میں کوئی دوسرا آدمی شریک ہو تو وہ اپنا حصہ اس وقت تک نہ بیچے جب تک دوسرے آدمی پر پیش نہ کر لے۔"

شرائط حق شفعہ:

اگر کوئی شخص اپنی کوئی چیز بیچنا چاہے تو اس کا پڑوسی اسے خریدنے کا زیادہ حق رکھتا ہے اگر وہ وہاں موجود نہ ہو تو اس کا انتظار کیا جائے گا۔ چنانچہ اسلام نے شفعہ کے لیے کچھ شرائط مقرر کی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

① راستہ ایک ہو:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَتِهٖ يُنْتَظَرُ بِهٖ وَاِنْ كَانَ غَائِبًا ، اِذَا كَانَ طَرِيْقُهُمَا وَاحِدًا)) ❸

❶ الصحیح للبخاری: 2213۔ ❷ سنن الترمذی: 1312۔
❸ سنن ترمذی: 1369۔

"پڑوسی اپنے شفعہ کا زیادہ حق رکھتا ہے، اگر وہ موجود نہ بھی ہو تو اس کا انتظار کیا جائے گا، جب دونوں کا رستہ ایک ہو۔"

اس بارے اہل علم یہی کہتے ہیں کہ پڑوسی جب بھی واپس آئے خواہ لمبے عرصے کے بعد واپس آئے وہ حق شفعہ رکھتا ہے۔

② شفعہ صرف پڑوسی کے لیے:

نبی ﷺ کے اہل علم صحابہ کا موقف ہے کہ شفعہ کا حق صرف پڑوسی کے لیے ہے اور انہوں نے نبی ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے۔

((جَارُ الدَّارِ اَحَقُّ بِدَارِ الْجَارِ اَوِ الاَرْضِ))❶

"گھر کا پڑوسی، پڑوسی کے گھر یا زمین پر زیادہ حق رکھتا ہے۔"

6 خراج

تعریف:

خراج کے معنی کرایہ اور محصول کے ہیں۔ اپنے مخصوص معنوں میں خراج کی اصطلاح غیر مسلم مالکان زمین کی پیداوار کے محصول کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

خراجی زمین کی اقسام:

فقہاء نے خراجی زمین کی مندرجہ ذیل 5 اقسام بیان کی ہیں:

① وہ زمینیں جنہیں مجاہدین نے بزور شمشیر فتح کیا ہو اور پھر ان زمینوں کو وہاں کے لوگوں کو کھیتی باڑی کے لیے بغرض خراج دے دیا جائے۔ جس طرح عراق اور مصر کی زمینوں کو دیا گیا تھا۔

② وہ بے کار زمین جسے کسی ذمی نے اسلامی ریاست کے سربراہ کی اجازت سے قابل کاشت بنایا ہو یا اسلامی ریاست کے سربراہ نے لشکر اسلام کی مدد پر کسی ذمی کو زمین کا

❶ سنن ابی داؤد: 3817۔

کوئی ٹکڑا بطور انعام دیا ہو۔

③ ذمی کے باغ وغیرہ کی زمین خواہ اسے عشری پانی سے ہی سیراب کیا جاتا ہو۔

④ اس کافر قوم کی زمین جس نے خراج پر مسلمانوں سے صلح کی ہو۔

④ جو زمین مسلمانوں نے کسی ذمی یا کافر سے خریدی ہو۔❶

اقسام خراج:

فقہاء کے نزدیک خراج کی دو قسمیں ہیں۔

① خراج مقاسمہ ② خراج وظیفہ

① خراج مقاسمہ:

"کھیت کی پیداوار کا نصف 2/1، ایک تہائی 3/1 یا ایک چوتھائی 4/1 حصہ بطور خراج مقرر کر لینا "خراج مقاسمہ" کہلاتا ہے۔"

نبی کریم ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے نصف حصے پر خراج کا مقاسمہ کیا تھا، جو خیبر سے یہودیوں کی جلاوطنی تک وصول کیا جاتا رہا۔ عباسی خلیفہ مہدی اور ہارون الرشید کے دور میں بھی یہی طریقہ رائج رہا۔

② خراج وظیفہ:

کھیتوں کی پیمائش کے مطابق خراج مقرر کرنا "خراج وظیفہ" کہلاتا ہے۔ اسے خراج بالمساحہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی یہ طے کر لینا کہ ایک ایکڑ پیداوار پر اتنی رقم لی جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں وصولی خراج کے لیے یہی طریقہ رائج تھا۔

خراج کا نصاب اور شرح:

شریعت نے خراج کے نصاب اور شرح کی تعیین نہیں کی، بلکہ اسے اسلامی حکومت کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے ملکی حالات اور خراجی زمینوں کی پیداواری صلاحیت کے مطابق شرح میں کمی وبیشی ہو سکتی ہے۔

❶ اسلام کا قانون محاصل از ڈاکٹر نور محمد غفاری: صفحہ 155۔

7 جزیہ

تعریف جزیہ:

جزیہ جزاء سے ماخوذ ہے جس کا لفظی معنی "بدلہ" ہے۔ اصطلاح شریعت میں اسلامی ریاست میں حکومت ذمیوں وغیر مسلموں سے ان کی جان، مال، عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے جو سالانہ ٹیکس وصول کرتی ہے اسے "جزیہ" کہا جاتا ہے۔

مسلمانوں کی حکومت کے ماتحت رہنے والے غیر مسلموں سے جزیہ وصول کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ (التوبہ : 29)

"ان لوگوں سے لڑائی کرو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، نہ ہی اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ ہی دین حق کو تسلیم کرتے ہیں، یہ اہل کتاب ہیں۔ (اس وقت تک قتال کرو) حتیٰ کہ یہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں۔"

شرائط جزیہ:

جزیہ وصول کرنے کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کو ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔

- ذمی عاقل، بالغ، تندرست اور آزاد ہو۔
- اسلامی حکومت اگر ذمی سے خدمات لے گی تو اس کا جزیہ ختم ہو جائے گا۔
- نابالغ بچوں، عورتوں، پاگلوں، بیماروں، معذوروں، غلاموں اور بوڑھوں سے جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا۔
- راہبوں، گوشہ نشینوں اور ایسے لوگوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا جو صاحب جائیداد نہیں۔

- اگر کوئی ذمی مسلمان ہو جائے تو اس کا جزیہ ساقط ہو جائے گا۔
- ذمی کے فوت ہونے کی صورت میں اس کے وارثوں یا ترکہ سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔
- اسلامی حکومت اگر ذمیوں کی حفاظت نہ کر سکے تو ان سے وصول کیا گیا جزیہ واپس کر دیا جائے گا۔

جزیہ کا نصاب وشرح:

خراج کی طرح جزیہ کا نصاب بھی متعین نہیں کیا گیا، اسلامی حکومت لوگوں کے معاشی حالات کے پیش نظر اس کے نصاب اور شرح میں کمی وبیشی کا اختیار رکھتی ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جزیہ کا نصاب وشرح مختلف طبقوں میں مختلف تھا۔

امیر طبقہ سے 48 درہم، متوسط طبقہ سے 24 درہم، غریب طبقہ سے 12 درہم فی کس وصول کیا جاتا تھا۔

جزیہ رقم کی بجائے مویشی، مال تجارت اور گھر کے سامان کی صورت میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ البتہ سؤر، شراب اور اس طرح کی کوئی بھی حرام چیز جزیہ میں نہیں دی جا سکتی نیز جزیہ سال میں ایک مرتبہ ہی وصول کیا جائے گا۔

جزیہ اور خراج میں فرق:

جزیہ:

- جزیہ ایک ٹیکس ہے جو ذمیوں کی حفاظت کے بدلے وصول کیا جاتا ہے۔
- جزیہ سے بعض اشخاص مستثنیٰ ہیں۔
- جزیہ سال میں ایک مرتبہ ہی وصول کیا جاتا ہے۔

خراج:

- خراج غیر مسلموں کی زمینی پیداوار پر عائد ہوتا ہے۔
- خراج تمام ذمیوں کی زمین پر عائد ہوتا ہے۔
- خراج کا معاملہ حاکم کی مرضی پر ہے۔

سوالات

1- اسلامی نظام معیشت کی خوبیاں بالتفصیل بیان کریں۔
2- انفرادی حق ملکیت قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کرتے ہوئے اوقاف پر نوٹ لکھیں۔
3- احتکار و اکتناز کی حرمت پر نوٹ لکھیں۔
4- اسلام کے حق شفعہ، خراج اور جزیہ پر روشنی ڈالیں۔

3

بیت المال

- ضرورت واہمیت، افادیت وطریقہ کار
- اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن
- اسلام میں تقسیم دولت کے طریقہ کار

بیت المال

تعریفِ و مفہوم:

"اسلام کے معاشی نظام کو بروئے کار لانے کے لیے خلافت اسلامی کے لیے سرکاری خزانہ کا وجود ضروری ہے اس خزانہ کو محفوظ کرنے کے مقام کو بیت المال کہا جاتا ہے۔"

اگرچہ کبھی کبھی بیت المال کا اطلاق وسعت کے ساتھ پورے مالی نظام پر بھی کر دیا جاتا ہے تاہم عام اصطلاح کے مطابق مرکزی خزانہ کو محفوظ کرنے کے مقام کو ہی بیت المال کہا جاتا ہے۔

ضرورت و اہمیت

نبی ﷺ کے دور میں اگرچہ بیت المال کا تصور موجود تھا، لیکن آپ ﷺ نے اس کے لیے کوئی خاص عمارت نہیں بنوائی تھی، بلکہ مدینہ اور باہر کے علاقوں سے زکوٰۃ، خراج اور جزیہ وغیرہ کی صورت میں جو مال جمع ہوتا، آپ ﷺ اسے مسجد نبوی میں رکھ دیتے اور اسی دن مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا۔

علامہ ابن سعد ؒ نے طبقات الکبریٰ میں لکھا ہے:

"سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے بیت المال قائم کیا اور ابو عبیدہ بن جراح کو اس کا نگران مقرر کیا۔ آپ ؓ نے بھی عہد نبوت کی پالیسی کو قائم رکھا اور جو کچھ بیت المال میں جمع ہوتا ہے اسے مسلمانوں پر صرف کر دیتے اس لیے بیت المال ہمیشہ خالی ہی رہتا تھا۔

سیدنا عمر ؓ کا دور خلافت فتوحات کا دور تھا اور عرب سے بے شمار دولت مدینہ

منتقل ہونے لگی، لہٰذا اس کی حفاظت کے پیش نظر آپ نے بزرگ صحابہ کرام ؓ سے مشورہ کرنے کے بعد مدینہ میں بیت المال کی عمارت بنوائی اور عبد اللہ بن ارقم ؓ کو اس کا ناظم مقرر کیا۔ بعد ازاں بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار میں اس ادارہ نے مزید ترقی کی۔"❶

بیت المال کی افادیت

اسلامی نظام حکومت میں بیت المال قائم کرنے کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

- بیت المال قائم کرنے کی سب سے بڑی وجہ مفلس، نادار، محتاج اور معذور افراد کی بحالی ہوتی ہے۔ بیت المال میں مختلف ذرائع سے حاصل کیا گیا مال جمع کیا جاتا ہے اور پھر مذکورہ افراد کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جاتا ہے، اس طرح مفلس و نادار لوگ اپنے آپ کو بے یار و مددگار نہیں سمجھتے۔
- اسلامی بیت المال یا سرکاری خزانہ میں جمع ہونے والی آمدن کچھ ایسے ذرائع سے بھی حاصل ہوتی ہے جسے ریاست کی دفاعی اور فوجی و عسکری ضروریات کو پورا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ عام الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے بیت المال، ریاست کو درپیش اندرونی و بیرونی مسائل سے نمٹنے کا ایک عمدہ ذریعہ ہے۔

بیت المال کا طریقہ کار

اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ مرکزی بیت المال کی صوبائی اور ضلعی شاخیں ہوتی ہیں، جن سے مقامی ضروریات کی کفالت مرکز کے احکام کے مطابق انجام پاتی ہیں۔

مرکزی بیت المال قلمرو خلافت کی ان تمام آمدنیوں کا حاصل ہوتا ہے جو اسلامی احکام کے مطابق سرکاری خزانہ میں جمع ہوتی ہیں، اسی طرح ان تمام مصارف کا بھی کفیل ہے جو حاجات وضروریات اجتماعی و انفرادی کو پورا کرنے کے لیے ضروری قرار دیئے گئے ہوتے

❶ اسلام اور جدید اقتصادی نظریات: صفحہ 470۔

ہیں۔ اسی لیے بیت المال کی آمدنی اور اس کے مصارف کے اصولوں کو اسلامی نظام حکومت میں متعین کر دیا گیا ہے۔ البتہ ان تفصیلات اور اصولوں کے مطابق جزئیات کا انطباق خلیفہ اور اس کی مجلس شوریٰ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن

اسلامی حکومت کے بیت المال میں درج ذیل ذرائع سے حاصل ہونے والا مال جمع ہوتا ہے۔

✽ عشر	✽ خراج
✽ جزیہ	✽ زکوٰۃ
✽ صدقات	✽ فے
✽ خمس	✽ ضرائب
✽ کراء الارض	✽ عشور
✽ وقف	✽ اموال فاضلہ

سطور ذیل میں ان کی مختصر توضیح کی جاتی ہے۔

① عشر:

''مسلمانوں کی مملوکہ اراضی کی پیداوار سے نصاب کے مطابق وصول کی جانیوالی سالانہ مال گزاری کو ''عشر'' کہا جاتا ہے۔''

عشر کے وجوب پر قرآن کی درج ذیل آیت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ﴾ (الانعام: 141)

''فصل کی کٹائی کے دن فصل کا حق ادا کرو۔''

یہ حق کیا ہے اور کتنا ادا کرنا پڑے گا؟ اس بارے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

''جو زمینیں، بارشوں، چشموں یا ندیوں کے پانی سے سیراب ہو جائیں یا وہ بارانی

ہوں، ان میں دسواں حصہ اور جس زمین کو کھینچ کر یا کنویں وغیرہ سے پانی دیا جائے، اس میں بیسواں حصہ ہے۔'' ❶

② خراج:

جن ممالک پر اسلام کا غلبہ ہو جائے اور خلیفہ وہاں کی زمینیں، مفتوحین کے قبضہ میں رہنے دیں یا جن ممالک کی کفار سے صلح ہو جائے اور وہ اسلامی حکومت کے ذمہ یا عہد میں داخل ہو کر جزیہ دے کر ذمی بن جائیں، تو ان کی زمین کی پیداوار سے وصول کی جانے والی مال گزاری کو خراج کہا جاتا ہے۔

③ جزیہ:

اہل کتاب اور مشرکین اگر مغلوب و مقہور ہو کر اسلامی اقتدار کو تسلیم کر لیں اور سالانہ تھوڑا سا ٹیکس ادا کرنے پر راضی ہو جائیں، اس شرط پر کہ اسلامی حکومت ان کے جان، مال اور عزت و آبرو کی محافظ ہے تو ایسے ٹیکس کو جزیہ کہتے ہیں۔

④ زکوٰۃ:

سونا، چاندی، مال تجارت، مکانوں کے تجارتی کاروبار اور اسی طرح چراگاہوں میں ریوڑوں کی صورت میں باہر چرنے والے پالتو جانوروں پر سال گزر جانے کے بعد ایک مقررہ نصاب میں سے چالیسواں حصہ نکال کر اللہ کی راہ میں دینا زکوٰۃ کہلاتا ہے۔

زکوٰۃ کے نصاب، شرح اور تقسیم کے طریقہ کار کے حوالے سے کتب احادیث میں تفاصیل موجود ہیں۔ زکوٰۃ کی فرضیت قرآن میں کئی جگہ بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ﴾ (البقرہ: 43)

''اور نماز کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔''

⑤ صدقات:

اسلام نے مسلمانوں پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ اجتماعی حقوق عائد کیے ہیں، جن کے

❶ الصحیح للبخاری عن عبداللہ بن عمر: 1483۔

متعلق اسلام صاحب دولت وثروت اور غنی آدمی کو مالی امداد کرنے کی ترغیب دیتا اور بعض حالات میں انہیں مستحب بتلاتا ہے، چنانچہ اس قسم کی مالی اعانت کا نام صدقہ ہے اور اپنی مختلف انواع کے لحاظ سے صدقات کہلاتے ہیں۔ صدقات کے بارے میں اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ ترغیب دی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَفِيٓ أَمْوَٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَٱلْمَحْرُومِ ۝ ﴾ (الذاریات : 19)

”ان کے اموال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا حق ہے۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُواْ ٱلْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِـَٔاخِذِيهِ إِلَّآ أَن تُغْمِضُواْ فِيهِ ۚ وَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ ﴾ (البقرہ:267)

”اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے، اس میں سے اچھی چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور کسی ردی چیز کا قصد نہ کرو، حالانکہ وہی چیز اگر کوئی شخص تمہیں دے تو ہرگز قبول نہ کرو، مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان لو کہ اللہ بے نیاز ہے، کائنات کی سب چیزیں اس کی تعریف کر رہی ہیں۔“

ادائیگی صدقات کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

* صدقہ کرنے والا خود کسی مستحق شخص کو دے دے۔
* وہ اپنے صدقات کا مال خلیفہ یا نائب کے سپرد کر کے بیت المال میں جمع کروا دے۔

⑥ مالِ فے:

کفار مغلوب و مرعوب ہو کر مسلمانوں کے لشکر سے جنگ کیے بغیر مال چھوڑ کر بھاگ جائیں تو اس حاصل شدہ مال کو ”فے“ کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ نے مال فے کو بیت المال کا حق بتایا ہے۔ اسے غازیوں اور

مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کیا جاتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ أَفَآءَ ٱللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ مِنْهُمْ فَمَآ أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُۥ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ۝ ﴾

(الحشر:6)

”اور جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال اپنے رسول کو بطور فے دیے، جن پر تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے، بلکہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو مسلط کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

⑦ خمس:

مال غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کرنے سے پہلے اس میں سے پانچواں حصہ نکالا جاتا ہے۔ اصطلاح شریعت میں اسے ”خمس“ کا نام دیا جاتا ہے۔ اور یہ حکومت کے بیت المال کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَىْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُۥ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ إِن كُنتُمْ ءَامَنتُم بِٱللَّهِ وَمَآ أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ ٱلْفُرْقَانِ يَوْمَ ٱلْتَقَى ٱلْجَمْعَانِ ۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ۝ ﴾ (الانفال:41)

”جان لو کہ تمہیں جو بھی غنیمت ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول نیز قرابتداروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، اگر تم اللہ پر اور اس چیز پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے فرقان کے دن اتاری، جس دن دو جماعتیں ٹکرائیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

نیز رکاز یعنی دفینہ اور کانوں سے نکلے ہوئے سونے و چاندی اور دیگر معدنیات سے بھی پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کروایا جائے گا۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ)) ❶ ''رکاز میں خمس واجب ہے۔''

⑧ **ضرائب:**

عوام کی بے روزگاری دور کرنے کے لیے، اسی طرح قحط سالی اور جنگ کے دور میں زکوٰۃ اور صدقات کے علاوہ مالی امداد کے نام سے جو ٹیکس اغنیاء اور اہل ثروت و دولت پر حکومت کی جانب سے عائد کیے جاتے ہیں انہیں ''ضرائب'' کہا جاتا ہے۔ لیکن یاد رہے موجودہ دور میں ملک کے ہر باشندے پر جو ٹیکس لگا ہوا ہے وہ اور چیز ہے جو سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔

⑨ **کراء الارض:**

سرکاری زمینیں جنہیں امام یا خلیفہ کاشت کے لیے سالانہ اجرت پر دے دے، ان سے وصول شدہ محاصل کو ''کراء الارض'' کہتے ہیں اور ایسی زمینوں کو "ارض المملكة" یا "ارض الحوز" کہتے ہیں۔

⑩ **عشور:**

غیر مسلم لوگ اپنے مال تجارت لے کر اسلامی ملک میں آئیں تو ان سے وصول کیے جانے والے محصول یا ڈیوٹی کو ''عشور'' کہا جاتا ہے۔

عشور کا آغاز سیدنا عمر کی خلافت میں ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان تاجر جب اپنا مال تجارت لے کر ایران و روم کی سلطنتوں میں جاتے تو ہر دفعہ انہیں یہ محصول ادا کرنا پڑتا تھا، لیکن حضرت عمر ؓ نے یہ قانون بنایا کہ کسی بھی غیر مسلم تاجر سے سال میں صرف ایک دفعہ عشور وصول کیا جائے، خواہ وہ متعدد بار ہی اپنا مال لے کر کیوں نہ آیا ہو۔

⑪ **وقف:**

جو اشیاء منقولہ و غیر منقولہ ذاتی ملکیت سے نکال کر فی سبیل اللہ دے دی جائیں وہ اسلامی اصطلاح میں ''وقف'' کہلاتی ہیں۔ اوقاف کی ایسی تمام آمدنی جو بیت المال کے لیے دی گئی ہو، بیت المال کا حق تصور ہوتی ہے۔

❶ صحیح البخاری: 1499۔

⑫ **اموال فاضلہ:**

مذکورہ بالا ذرائع آمدن کے علاوہ جو بھی متفرق آمدنیاں بیت المال کی ملک قرار دی جائیں، ان سب کو ''اموال فاضلہ'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی مسلمان یا ذمی کا انتقال ہو جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو، اس کا مال بیت المال کا حق ہے۔ اسی طرح کوئی ذمی بغاوت کر کے یا کوئی مسلمان مرتد ہو کر ''دارالحرب'' کو فرار ہو جائے تو اس کا تمام مال ضبط ہو کر بیت المال کی ملکیت ہو جاتا ہے۔

اسلام میں تقسیم دولت کا طریقہ کار

قرآن وسنت میں جس طرح بیت المال کے محصولات کی تفاصیل بیان کی گئی ہیں اسی طرح شریعت اسلامیہ نے اس دولت کو تقسیم کرنے کے مصارف بھی بیان کیے ہیں۔

چنانچہ فقہ اسلامی کی تصریحات کے مطابق بیت المال کے محاصل کو چار مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے مرکزی بیت المال میں چار بیوت اموال قائم کیے جائیں اور ہر ایک بیت المال میں جمع ہونے والے مال کو اس کے متعلقہ مصارف میں تقسیم کیا جائے۔

ان چار شعبوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

پہلا شعبہ:...... اس شعبہ میں مال غنیمت اور رکاز کے خمس اور نفلی صدقات سے وصول ہونے والی رقم کو جمع کیا جائے۔

دوسرا شعبہ:...... زکوٰۃ، عشر اور مسلم تاجروں سے وصول شدہ عشور سے حاصل ہونے والی رقم اس شعبہ میں جمع کی جائے۔

تیسرا شعبہ:...... خراج، جزیہ، غیر مسلم تاجروں سے وصول کیا گیا عشور، فے، کراء الارض اور ضرائب سے آنے والی آمدن اس شعبہ کے تحت جمع کی جائے۔

چوتھا شعبہ:...... اس میں اموال فاضلہ کو رکھا جاتا ہے۔

طریقہ تقسیم:

ان شعبہ جات میں جمع کیا جانے والا مال حسب ذیل طریقے سے خرچ کیا جائے۔

پہلا اور دوسرا شعبہ:...... ان دونوں شعبہ جات کے محاصل کو قرآن کریم میں بیان کردہ مصارف ثمانیہ میں تقسیم کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (التوبة: 60)

"صدقات تو فقراء، مساکین، عاملین، مولفۃ القلوب، غلاموں کی آزادی، مقروضوں، فی سبیل اللہ اور مسافروں کے لیے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

تیسرا شعبہ:...... تیسرے شعبہ کے محاصل کو تمام قسم کے وظائف اور حکومت کے نظم ونسق کے اخراجات پر صرف کیا جائے گا۔

چوتھا شعبہ:...... چوتھے شعبہ کے محاصل کو عوامی فلاح و بہبود کے منصوبہ جات، لاوارث بچوں کی پرورش اور دیگر امور خیر میں صرف کیا جائے گا۔

سوالات

1- بیت المال کی ضرورت و اہمیت پر نوٹ لکھیں۔

2- بیت المال کی افادیت و طریقہ کار بیان کیجئے۔

3- اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن پر روشنی ڈالیں۔

4- اسلام میں تقسیم دولت کے طریقہ کار پر نوٹ لکھیں۔

4

زکوٰۃ

- زکوٰۃ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم
- زکوٰۃ کی معاشی حکمتیں
- زکوٰۃ کی جمع و تقسیم کے اصول وضوابط
- زکوٰۃ و ٹیکس میں فرق
- اجتماعی زندگی میں زکوٰۃ کی اہمیت
- زکوٰۃ کے مقاصد
- زکوٰۃ وعشر کے اموال کی تقسیم کا طریقہ کار
- ٹیکس عائد کرنے کے لیے حدود و قواعد

زکوٰۃ

لغوی معنی:

"زکوٰۃ کا لغوی معنی نشوونما، بڑھوتری اور پاک ہونا ہے۔"

اصطلاحی مفہوم:

اصطلاحِ شریعت میں زکوٰۃ سے مراد وہ مال ہے جو ہر صاحب نصاب مسلمان کے مال کو پاک کرنے اور اللہ کے ہاں مال کو بڑھانے کے لیے نکالا جاتا ہے۔

اجتماعی زندگی میں اہمیتِ زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کئی مقامات پر زکوٰۃ کی فرضیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ﴾ (البقرہ:43)

"نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کی کامیابی کی ضمانت دی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ۙ ﴾ (المومنون:1-4)

"یقیناً وہ مومن کامیاب ہو گئے، جنہوں نے اپنی نمازوں میں خشوع پیدا کیا اور وہ لوگ لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں اور وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔"

زکوٰۃ کی معاشی حکمتیں

اگر اجتماعی لحاظ سے دیکھا جائے تو زکوٰۃ اسلامی معیشت کی روحِ رواں ہے اور زکوٰۃ سے درج ذیل اجتماعی مصالح کا حصول ممکن بن جاتا ہے۔

1 غرباء کی کفالت:

سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب معاشیات اسلام میں رقمطراز ہیں:

"یہ مسلمانوں کی کوآپریٹو سوسائٹی ہے نیز یہ زکوٰۃ ان کی انشورنس کمپنی اور پراویڈنٹ فنڈ ہے، جو کہ معذوروں، اپاہجوں، بیماروں، یتیموں اور بے روزگاروں کے لیے سرمایہ اعانت ہے۔ یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ مسلم معاشرہ میں کوئی بھی شخص ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہے گا۔"[1]

اسی طرح پروفیسر رفیع اللہ شہاب لکھتے ہیں:

"اگر کوئی اسلامی حکومت ارشادات ربانی کے مطابق نظام زکوٰۃ کو قائم کر دے تو یہ مملکت کے تمام حاجت مند افراد کے لیے اجتماعی بیمہ کی ایک ایسی سکیم ہو گی جس کے بعد کسی کو اپنے مستقبل کے بارے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہو گی۔"[2]

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب زکوٰۃ کا نظام رائج تھا تو خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے دور میں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔

2 گردش دولت:

سرمایہ دارانہ نظام کی ایک بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں دولت سمٹ کر چند افراد کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کچھ لوگ ارب پتی بن جاتے ہیں اور کچھ لوگ دو وقت کی روٹی جمع کرنے سے بھی قاصر ہوتے ہیں۔ لیکن اسلام یہ چاہتا ہے کہ دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں ہی گردش نہ کرتی رہے۔ اس لیے اسلام نے زکوٰۃ کا نظام رائج کر دیا تا کہ امراء کی طرف سے غرباء کو دی گئی رقم ان کے لیے روزگار کا ذریعہ اور وسیلہ بن جائے جس سے وہ اپنا معمولی سا کاروبار شروع کر کے اپنے لیے رزق حلال تلاش کریں۔ اس طرح گردش دولت کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور گردش دولت جتنی بڑھے گی اتنی ہی معیشت مستحکم ہو گی اور جب معیشت مستحکم ہو گی تو معاشرہ ترقی کرے گا۔

[1] معاشیات اسلام، ص 132۔
[2] اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام از پروفیسر رفیع اللہ شہاب ص 87۔

③ جرائم کا خاتمہ:

چوری، ڈکیتی، جیب تراشی اور قتل جیسے بھیانک جرائم کی سب سے بڑی وجہ غربت و افلاس ہے۔ ایک مجبور انسان کی جائز ضروریات پوری نہ ہوں تو وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے دوسروں کے وسائل پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر زکوٰۃ کا نظام رائج کر دیا جائے تو ممکنہ حد تک ایسے تمام جرائم کی جڑ اکھاڑی جا سکتی ہے۔

④ بے روزگاری کا خاتمہ:

کچھ ہنر مند لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں مناسب سرمایہ مل جائے تو وہ اپنی ہنر مندانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کوئی نہ کوئی کاروبار شروع کر لیتے ہیں اور آہستہ آہستہ معاشی طور پر مستحکم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اگر ایسے بے روزگار لوگوں کو زکوٰۃ دے دی جائے تو وہ معاشی لحاظ سے کافی حد تک مستحکم ہو سکتے ہیں۔

⑤ گداگری کا خاتمہ:

گداگری کی بنیادی وجہ غربت و افلاس ہے۔ زکوٰۃ کے ذریعے غرباء کی امداد ہوتی ہے تو انہیں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس طرح معاشرہ گداگری کی لعنت سے پاک ہو جاتا ہے۔

⑥ قومی فلاح و بہبود:

اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ میں ایک مصرف "فی سبیل اللہ" بھی بیان کیا ہے۔ جس کے تحت عوامی فلاح و بہبود کے بہت سے منصوبہ جات شروع کر کے ان پر زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے تا کہ لوگوں کا معیارِ زندگی بہتر ہو جائے۔

⑦ ظلم کا خاتمہ:

ہمارے ملک میں بڑے بڑے زمیندار اور سرمایہ دار چھوٹے زمینداروں اور نادار لوگوں کو سود پر قرض دے کر ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنا لیتے ہیں۔ اگر زکوٰۃ کا نظام رائج کر دیا جائے تو کسی بھی نادار و مفلس آدمی کو قرض لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی، بلکہ اس کی حاجات و

ضروریات سے دی جانے والی زکوٰۃ سے ہی پوری ہو جائیں گی۔ اس طرح نادار لوگوں کو بڑے سرمایہ داروں کے ظلم سے بچایا جا سکتا ہے۔

⑧ احتکار کا خاتمہ:

ہمارے ہاں معیشت کی سست روی کی بنیادی وجہ ذخیرہ اندوزی ہے۔ اس لیے اس لعنت کو ختم کرنے کے لیے زکوٰۃ کے نظام کو رائج کرنا انتہائی ضروری ہے تا کہ ایک بہترین نظریاتی معاشرہ قائم ہو سکے۔

مقاصد زکوٰۃ

اسلام نظامِ زکوٰۃ کے ذریعے درج ذیل مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے:

☆...... مسلمان کا دل دنیا کی محبت سے پاک ہو جائے۔ ☆...... اللہ تعالیٰ کے رستے میں مال خرچ کرنے کی عادت بن جائے۔ ☆...... انسان میں رضائے الٰہی کی جستجو کا جذبہ پیدا ہو۔ ☆...... زکوٰۃ ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کیا جائے۔ ☆...... زکوٰۃ کی ادائیگی سے امیر و غریب کے درمیان باہمی محبت و اخوت کے جذبات پروان چڑھیں۔ ☆...... ہر کام میں اطاعت الٰہی کا جذبہ پیدا ہو۔ ☆...... مال کی بڑھوتری اور اس میں اضافہ مقصود ہو۔ ☆...... فی سبیل اللہ زکوٰۃ صرف کر کے اللہ کے دین کی حفاظت و نصرت کی جائے۔

زکوٰۃ کی جمع و تقسیم کے اصول و ضوابط

زکوٰۃ اسلامی حکومت اور معاشرے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے اسلام نے اس قدر اہم چیز کو بغیر کسی قاعدہ و قانون کے نہیں چھوڑا، بلکہ اس کے لیے ایک مکمل قانون سازی کی ہے۔ چنانچہ اس کی جمع اور تقسیم کے لیے بنیادی قانون یہ بنایا ہے کہ زکوٰۃ مال داروں سے وصول کی جائے گی اور فقراء میں تقسیم کر دی جائے گی۔ یہ ضابطہ اور

قانون نبی ﷺ نے اپنے صحابی سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے واضح فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم ان لوگوں کو بتانا:

((اِنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً اَمْوَالِهِمْ ، تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِ هِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَاءِ هِمْ))[1]

''اللہ تعالیٰ نے ان پر مالوں کی زکوۃ واجب کی ہے، جو ان کے دولت مندوں سے لے کر فقراء کو دی جائے گی۔''

زکوٰۃ جمع کرنے کا طریقہ:

زکوٰۃ مختلف ذرائع سے جمع کی جاتی ہے جن میں سے اہم ترین ذرائع درج ذیل ہیں:

☆ مویشی ☆ سونا چاندی ☆ زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار ☆ اموال تجارت

ⓐ مویشی:

اس میں عمومی طور پر تین قسم کے جانور شامل کیے جاتے ہیں۔

☆ بکری ☆ اونٹ ☆ گائے

ان جانوروں کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے درج ذیل دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

- یہ جانور باہر چرنے والے ہوں، چراگاہوں، جنگلوں، پہاڑوں اور میدانوں میں ہونے والی گھاس اور درختوں کے پتوں پر ان کا گزارہ ہوتا ہو۔ اصطلاح شریعت میں ایسے جانوروں کو ''سائمات'' کہا جاتا ہے۔
- ان جانوروں کو کسی خاص شخص کی ملکیت میں رہتے ہوئے ایک سال گزر جائے۔

صحیح بخاری، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور مختلف کتابوں میں اونٹ، گائے اور بکری کی زکوٰۃ کی تفاصیل ملتی ہیں، جن کے مطابق مذکورہ بالا جانوروں کی زکوٰۃ جدول میں دی گئی ہے۔

---

[1] متفق علیه بخاری: 13951 و مسلم: 19۔

اونٹ

تعداد	زکوٰۃ
1 تا 4	زکوٰۃ نہیں
5 تا 9	ایک بکری
10 تا 14	2 بکریاں
15 تا 19	3 بکریاں
20 تا 24	4 بکریاں
25 تا 35	ایک بنت مخاض (1 سالہ مادہ بچہ)
36 تا 45	ایک بنت لبون (2 سالہ مادہ بچہ)
46 تا 60	ایک حقہ (تین سالہ اونٹنی)
61 تا 75	ایک جذعہ 4 سالہ اونٹنی
76 تا 90	دو بنت لبون
91 تا 120	دو حقہ

نوٹ: اونٹ کی زکوٰۃ میں تعداد جب 120 سے اوپر ہو جائے تو ہر 40 میں ایک بنت لبون (دو سالہ مادہ بچہ) اور ہر 50 میں ایک حقہ (تین سالہ اونٹنی) زکوٰۃ ہے۔

بکری / بھیڑ

تعداد	زکوٰۃ
1 تا 39	زکوٰۃ نہیں
40 تا 120	ایک بکری
121 تا 200	2 بکریاں
201 تا 300	3 بکریاں
301 تا 400	4 بکریاں
401 تا 500	5 بکریاں

نوٹ: اس طرح ہر 100 پر ایک بکری زکوٰۃ ہوگی۔

گائے

تعداد	زکوٰۃ
1 تا 29	زکوٰۃ نہیں
30 تا 39	ایک سالہ نر یا مادہ بچھڑا
40 تا 59	دو سالہ زیادہ نر یا مادہ بچھڑا
60 تا 69	ایک سال کے نر یا مادہ 2 بچھڑے
70 تا 79	ایک 2 سالہ نر یا مادہ اور 1 سالہ نر یا مادہ بچھڑا
80 تا 89	دو سالہ نر یا مادہ بچھڑا

نوٹ: اسی طرح آگے ہر 30 میں ایک سالہ نر یا مادہ بچھڑا اور ہر چالیس 40 میں دو سالہ نر یا مادہ بچھڑا۔

ملحوظہ:

پالتو جانوروں میں اونٹ، گائے اور بکری یا بھیڑ کے علاوہ دو جانور اور ہیں۔

- بھینس
- گھوڑا

بھینس:

بھینس کے بارے حدیث میں کوئی صراحت موجود نہیں اور اگر عربی لغات کو دیکھا جائے تو بھینس کو گائے کی ہی ایک قسم کہا گیا ہے۔[1]

امام مالک اپنی موطا میں گائے کا نصاب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”زکوٰۃ کے معاملہ میں جوامیس (بھینسوں) کو بھی گائے پر ہی محمول کیا جائے گا۔“[2]

گھوڑا:

تمام آئمہ کا اس پر اجماع ہے کہ گھوڑا خواہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ہو یا سواری اور بار برداری کے لیے، اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

اگر تجارت کے لیے ہوں گے تو ان کی قیمت لگا کر چالیسواں حصہ زکوٰہ دی جائے گی۔

سونا چاندی:

سونا اور چاندی کاروبار کے لیے ہوں یا پہننے کے لیے جب یہ مقررہ نصاب کو پہنچ جائیں تو ان میں چالیسواں حصہ (2.5٪) حصہ زکوٰۃ واجب ہوگی۔

- شریعت میں سونے کی زکوٰۃ 200 مثقال یعنی 7.5 تولے پر واجب ہوتی ہے۔
- اور پانچ اوقیہ چاندی پر زکوٰۃ فرض قرار دی گئی ہے، جن کا وزن 200 درہم یعنی (52.5) تولے بنتا ہے۔

اموال تجارت:

”ہر وہ مال جس کی خرید وفروخت نفع کی غرض سے کی جاتی ہے ”مال تجارت“ کہلاتا ہے۔“

❶ تاج العروس 15/ 513، مادہ: جمس.

❷ موطا امام مالك 1/ 259.

چنانچہ ہر اس مال سے زکوٰۃ نکالی جائے گی جسے نفع کے حصول کی غرض سے کسی جگہ محفوظ یا کسی دکان یا منڈی میں رکھا گیا ہو۔ ارشادی باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ (البقرہ:267)

”اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے اس میں سے اچھی چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔“

مال تجارت سے حاصل ہونے والا نفع خواہ اپنے پاس ہو، کسی بینک میں ہو یا کسی کمپنی کے حصص میں شیئر کیا گیا ہو، سال گزر جانے پر اس کا چالیسواں حصہ (2.5%) بطور زکوٰۃ نکالا جائے گا۔

زمینی پیداوار:

زمین کی فصل اور پیداوار پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اصطلاح شریعت میں اسے ”عشر“ کا نام دیا جاتا ہے۔ عشر کا معنی ہے دسواں حصہ، یعنی زمینی پیداوار کا دسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کیا جائے گا۔ لیکن اس کی دو صورتیں ہیں۔

- اگر زمین بارش، ندیوں اور چشموں کے ساتھ سیراب ہوتی ہو تو اس میں دسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔
- اور اگر اسے کنویں یا ٹیوب ویل کے ذریعے پانی دیا جاتا ہو تو اس میں بیسواں حصہ عشر واجب ہے۔

ملاحظہ:

لیکن یاد رہے کہ پیداوار اگر پانچ وسق (ساٹھ صاع یا تقریباً سترہ من) سے کم ہو تو اس میں عشر واجب نہیں۔

زکوٰۃ وعشر کے اموال کی تقسیم کا طریق کار

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زکوٰۃ وعشر کے آٹھ مصارف بیان کیے ہیں۔ اس لیے زکوٰۃ کو جمع کر کے انہی مصارف پر خرچ کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (التوبہ : 60)

”بے شک صدقات صرف فقیروں، مسکینوں، صدقات پر مامور عمال اور ان لوگوں کے لیے ہیں جن کی تالیف قلب مقصود ہو نیز یہ گردنیں چھڑانے کے لیے، مقروض افراد کے لیے، اللہ کی راہ میں صرف کرنے کے لیے اور مسافروں کے لیے ہیں یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔“

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں زکوٰۃ وعشر کے اموال ان آٹھ مصارف میں تقسیم کیے جائیں گے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

* فقراء
* مساکین
* عاملین زکوٰۃ
* مولفۃ القلوب
* غلاموں کی آزادی
* مقروض لوگ
* فی سبیل اللہ
* ابن السبیل (مسافر)

1 فقراء:

وہ لوگ جو کسی بیماری یا عذر کی وجہ سے اپنی معاشی کفالت نہ کر سکتے ہوں۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن پر آفت آ جانے کی وجہ سے کوئی ذریعہ معاش نہ رہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دی جائے گی تا کہ وہ اپنا کاروبار شروع کر سکیں اور اپنے زیر کفالت افراد کی معیشت کا بندوبست کر سکیں۔

2 مساکین:

جو محنت کرنے اور کمانے کے اہل ہوتے ہیں، لیکن ان کی جائز اور بنیادی ضروریات ان کی آمدن سے زیادہ ہوتی ہیں، یعنی کثیر العیال ہونے کی وجہ سے وہ لوگ اپنی کمائی سے اپنی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

3 عاملین زکوٰۃ:

وہ لوگ جو بیت المال کے لیے زکوٰۃ جمع کرنے اور لوگوں میں تقسیم کرنے پر مامور ہوتے ہیں۔ اس ذمہ داری کی بناء پر وہ کوئی ملازمت یا کاروبار نہیں کر پاتے، لہٰذا ان لوگوں کی ماہانہ تنخواہ اس زکوٰۃ کے مال سے ادا کی جائے گی۔

4 مؤلفۃ القلوب:

اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں، کیونکہ ایسا شخص اپنے مذہب، خاندان، والدین اور مال ومتاع کو چھوڑ کر اسلام میں آتا ہے۔ لامحالہ اس شخص کے لیے معاش کے سلسلہ میں بہت سے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ایسے افراد جنہوں نے اللہ کے لیے اپنی دنیا کو قربان کیا تو یقیناً ایسے لوگ حوصلہ افزائی اور امداد وتعاون کے مستحق ہوتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اس مد کو نکال دیا گیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ:

”اب اسلام کمزور نہیں ہے، لہٰذا جو شخص مسلمان ہونا چاہتا ہے وہ اسلام قبول کر لے اور جو مسلمان نہیں ہونا چاہتا اسلام کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

لیکن آج کا دور اس امر کا متقاضی ہے کہ اس مولفۃ القلوب کی مد کو قائم رکھا جائے، کیونکہ آج اسلام کو وہ عظمت حاصل نہیں رہی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حاصل تھی۔

5 غلاموں اور قیدیوں کی آزادی:

اللہ تعالیٰ نے صدقات کا ایک مصرف فِی الرِّقَاب بیان کیا ہے، جس کا مطلب ہے ”گردنیں آزاد کرانا“ یعنی مسلمان غلام اور لونڈیوں کو آزاد کروانے کے لیے زکوٰۃ کا مال

صرف کیا جائے۔ اسی طرح جو لوگ مکاتبت کر چکے ہوں ان کی مکاتبت کی رقم میں تعاون کیا جائے اور اگر دشمن کے ہاتھ مسلمان قیدی ہوں تو انہیں زکوٰۃ و صدقات کے مال سے رہائی دلوائی جائے۔

6 مقروض لوگ:

قرآن کریم نے ایک مد "غارمین" کی بیان کی ہے، جس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو اتفاقی حادثات مثلاً سیلاب، کاروبار کے خسارے اور آتش زدگی وغیرہ کی وجہ سے قرضوں کے بوجھ تلے دب جائیں۔ ایسے لوگوں کو قرض اتارنے کے لیے زکوٰۃ کے مال سے امداد دی جائے اور اپنا کاروبار کرنے کے لیے انہیں قرض حسن بھی دیا جا سکتا ہے۔

7 فی سبیل اللہ:

اس سے اللہ کی راہ میں کیے جانے والے تمام کام مراد ہیں۔ جہاد پر جانے والے مجاہدوں پر خرچ کرنا، کوئی شخص حج یا عمرہ کرنا چاہتا ہو اور اس کے پاس پیسے نہ ہوں تو اس پر خرچ کرنا، دینی ادارے جو قرآن کی تعلیم دے رہے ہوں ان کی امداد کرنا اور اسی طرح خیر و بھلائی کے تمام کام جو فی سبیل اللہ ہوں ان پر زکوٰۃ کے مال کو خرچ کیا جائے۔

8 ابن السبیل (مسافر):

ان سے مراد وہ مسافر ہیں جن کو دوران سفر اسباب سفر کی ضرورت پیش آجائے تو انہیں اس قدر دے دیا جائے جس سے ان کی حاجت پوری ہو جائے۔

ملاحظہ:

اگر حکومت اسلامی ہو اور اسلامی بیت المال بھی قائم کیا گیا ہو تو زکوٰۃ کا مال بیت المال میں جمع کروانا ضروری ہے، تاکہ حکومت مناسب جگہ پر صرف کر سکے، لیکن اگر کوئی ایسا نظام نہ ہو تو انفرادی طور پر زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

زکوٰۃ و ٹیکس میں فرق

بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ زکوٰۃ بھی انکم ٹیکس کی طرح ایک ٹیکس ہے لیکن یہ مفہوم درست نہیں کیونکہ زکوٰۃ ایک مذہبی فریضہ اور اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک رکن ہے، نیز زکوٰۃ اور ٹیکس کے مقاصد، مصارف، نتائج اور مزاج کسی ایک چیز میں بھی مماثلت نہیں پائی جاتی۔ ان دونوں کے درمیان واضح فرق ہے جسے ذیل کے جدول سے سمجھا جا سکتا ہے۔

زکوٰۃ	ٹیکس
* زکوٰۃ کا لفظی معنی پاکیزگی، بڑھوتری اور نشوونما کے ہیں جو خیر و برکت پر دلالت کرتے ہیں، اسی لیے اس کی ادائیگی بھی رضامندی سے ہوتی ہے۔	* ٹیکس کے لیے عربی زبان میں لفظ ضریبہ استعمال کیا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے، کوئی چیز زبردستی لازم کرنا یا تھوپ دینا۔ یہی وجہ ہے کہ ٹیکس کو بوجھ سمجھا جاتا ہے۔
* زکوٰۃ بندوں پر اللہ کی طرف سے عائد کی گئی ہے اور اس کی ادائیگی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لیے یہ ایک عبادت بھی ہے۔	* ٹیکس حکومت کی طرف سے عائد کیا جاتا ہے۔ ٹیکس کی ادائیگی میں اللہ کی رضا اور خوشنودی نہیں ہوتی اور نہ ہی عبادت کا کوئی پہلو ہوتا ہے۔
* زکوٰۃ کا فریضہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔	* ٹیکس حکومت کی طرف سے ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔
* زکوٰۃ کا نصاب اور شرح رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے، جس میں ترمیم یا کمی و بیشی کا کسی کو اختیار نہیں۔	* جبکہ حکومت ٹیکس کی شرح اور نصاب میں تبدیلی کرنے کی مجاز ہے۔
* زکوٰۃ کو کہاں خرچ کیا جائے، اس	* ٹیکس کی آمدن حکومت کے ہاتھ میں

بارے اللہ تعالیٰ نے مصارف کی تفصیل بیان کر دی ہیں، لہٰذا ان مصارف کے علاوہ زکوٰۃ کو کہیں اور خرچ نہیں کیا جا سکتا۔	ہوتی ہے اور وہ اسے جائز اور ناجائز ہر جگہ استعمال کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔
* زکوٰۃ کے مال کو امراء سے لے کر غرباء پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔	* ٹیکس کی آمدن کا اکثر و بیشتر حصہ غریبوں کی جیب سے نکال کر امراء کی عیاشیوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔
* زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض ہے۔کوئی بھی حکمران، خلیفہ یا حاکم زکوٰۃ معاف کرنے کا مجاز نہیں، یہاں تک کہ اگر حکومت زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کے لیے کوئی نظام نہ بھی بنائے تو بھی ہر صاحب مال پر ضروری ہے کہ وہ مستحقین تک زکوٰۃ پہنچائیں۔	* ٹیکس غیر مسلموں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ حکومت ٹیکس معاف کر دے تو صاحب مال پر کوئی ذمہ داری نہیں رہتی۔
* زکوٰۃ سے مال بڑھتا اور اس میں خیر و برکت نازل ہوتی ہے نیز اس کی ادائیگی پر ثواب عطا کیا جاتا ہے۔	* ٹیکس سے مال میں کمی واقع ہوتی ہے اور اس کی ادائیگی محض حکومت کے حکم پر ہوتی ہے۔
* زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مال کی کم از کم شرح بیان کی گئی ہے، اس سے کم مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔	* ٹیکس روزمرہ کی تمام اشیاء پر لیا جاتا ہے خواہ خریدار کے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہ ہی ہو۔

ٹیکس عائد کرنے کے لیے حدود و قواعد

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی ٹیکس وصول کر سکتی ہے یا نہیں؟

اس بارے فقہاء کا بہت زیادہ اختلاف ہے۔کوئی جواز کا قائل ہے تو کوئی عدم جواز کا۔ لیکن اگر تاریخ میں دیکھا جائے تو اسلامی حکومت جب حالت جنگ میں ہو یا اچانک کوئی غیر معمولی صورتحال پیش آ جائے تو اس صورت میں حکومت مالداروں پر ہنگامی ٹیکس عائد کر سکتی ہے۔ جسے اقتصادیات کی اصطلاح میں "ضرائب" کہا جاتا ہے۔لیکن ایسا ٹیکس عائد کرنے کے لیے درج ذیل شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

- بیت المال میں رقم موجود نہ ہو، مال کی اشد ضرورت ہو اور اس کے بغیر اخراجات کو پورا کرنا ناممکن ہو تو بقدر ضرورت ٹیکس عائد کیا جا سکتا ہے۔
- ٹیکس سے حاصل ہونے والی رقم کو معاصی پر خرچ نہ کیا جائے، بلکہ عوام کے اجتماعی مصالح پر صرف کیا جائے۔
- ٹیکس کی وصولی میں انصاف سے کام لیا جائے ایسا نہ ہو کہ ایک گروہ سے بہت زیادہ وصول کیا جائے جبکہ دوسرے گروہ کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔
- یہ ٹیکس صاحب ثروت و دولت مند لوگوں پر عائد کیا جائے مساکین، غرباء اور فقراء کو اس ٹیکس سے مستثنیٰ رکھا جائے۔
- حاکم اور مجلس شوریٰ کے ارکان اس ٹیکس کو عائد کرنے پر متفق ہوں۔
- ایک انتہائی اہم شرط یہ ہے کہ اس ٹیکس کا مقصد حکومتی عہدیداروں کی عیاشیوں اور ہوس پرستی کو پورا کرنا نہ ہو، بلکہ قرآن و سنت کی بالادستی اور عوام کی فلاح و بہبود ہی مطمع نظر ہو۔

سوالات

1- زکوٰۃ کا لغوی و اصطلاحی معنی و مفہوم تحریر کرتے ہوئے اجتماعی زندگی میں زکوٰۃ کی اہمیت پر نوٹ لکھیں۔

2- زکوٰۃ کے فوائد و مقاصد بیان کیجیے۔

3- زکوٰۃ کی جمع و تقسیم کے اصول و ضوابط بالتفصیل قلمبند کریں۔

4- زکوٰۃ و عشر کے اموال کی تقسیم کے طریقہ کار پر نوٹ لکھیں۔

5- زکوٰۃ و ٹیکس میں فرق بیان کریں۔

6- ٹیکس عائد کرنے کے لیے حدود و قواعد کا جائزہ لیجیے۔

5

عوامی سہولیات

- بجلی، ٹیلی فون، سڑکیں، سیوریج
- عوامی سہولیات کے ذرائع کا حصول
- قیمتوں پر کنٹرول

بجلی، ٹیلی فون، سڑکیں، سیوریج

بجلی:

آج کا دور بہت ترقی کر چکا ہے اور اس ترقی کی سب سے بڑی اور اہم وجہ بجلی کی ایجاد ہے۔ آج صنعتیں بجلی پر منتقل کر دی گئی ہیں۔ اس لیے معیشت کو مضبوط اور لوگوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ حکومت ایسے اقدام اٹھائے جن کی وجہ سے بلا تعطل بجلی فراہم ہو سکے۔ پاکستان میں گزشتہ چند سالوں سے اس طرف دھیان نہیں دیا گیا جس کی وجہ سے ملکی سرمایہ کاروں نے دوسرے ملکوں کو ترجیح دینا شروع کر دی۔ اپنے ملک کی معیشت کو سہارا دینے کے لیے سستی بجلی عوام کا بنیادی حق ہے۔

ٹیلی فون:

موجودہ دور میں ٹیلی فون خطوط اور قاصدوں کا نعم البدل ہے۔ قدیم دور میں اپنا پیغام پہنچانے کے لیے ہفتوں اور مہینوں کا وقت درکار ہوتا تھا اور ماضی قریب میں خطوط کے ذریعے یہ کام دنوں اور ہفتوں میں کیا جاتا تھا، لیکن ٹیلی فون کی ایجاد نے یہ تمام فاصلے قریب کر دیئے اور یہی کام منٹوں اور سیکنڈوں میں ہونے لگا ہے، اب صورتحال یہ بن چکی ہے کہ تجارت اور کاروبار کے لیے ٹیلی فون ہی سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ایک ملک کے تاجر ٹیلی فون کے ذریعے دوسرے ملک میں کاروبار کرنے والے تاجروں سے رابطے میں رہتے ہیں اور انہیں کاروباری معاملات طے کرنے کے لے ملکوں کا سفر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، جس کی وجہ سے وقت اور سرمایہ دونوں کی بچت ہوتی ہے جو کسی بھی ملک کی معیشت کے لیے فائدہ مند چیزیں ہیں، لہٰذا حکومت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو یہ سہولت کم سے کم معاوضہ میں پہنچائے تا کہ پیغام رسانی کے لیے عوام الناس کے وقت اور مال کا ضیاع نہ ہو۔

سڑکیں:

کسی بھی ملک کے لیے معیشت کا مضبوط ہونا ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور معیشت کو مضبوط کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تجارت وسیع پیمانے پر کی جائے۔ تجارت میں اشیاء کا لین دین اور تبادلہ ہوتا ہے، جس کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک، درآمدات و برآمدات کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ نقل و حمل گاڑیوں اور کنٹینرز کے ذریعے ہی ممکن ہو سکتی ہے، نیز لوگوں کو اپنے ذاتی اور کاروباری سفر کرنے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے جن کے لیے ہموار اور مضبوط سڑکوں کا ہونا ناگزیر ہے۔ اس لیے حکومت کو اس طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے تا کہ ملکی معیشت کا پہیہ رواں دواں رہے۔

سیوریج:

عوام کا یہ حق ہے کہ انہیں آلودگی سے پاک ماحول فراہم کیا جائے۔ آبی آلودگی انسانی صحت کے لیے بہت ہی مضر اثرات رکھتی ہے، اور اس کی وجہ جوہڑوں اور تالابوں میں کھڑا پانی ہوتا ہے۔ ایسے مسائل پر قابو پانے کے لیے نکاسی آب کا مناسب و معقول انتظام کرنا ضروری ہے تا کہ جگہ جگہ پانی کھڑا نہ ہو اور لوگ آبی آلودگی سے محفوظ رہیں۔ اس لیے سیوریج کا ایسا انتظام ہونا چاہیے جو جدید دور کے تقاضوں مطابق اور شہر یا بستی کے باشندوں کے لیے کافی ہو۔

عوامی سہولیات کے ذرائع کا حصول

زکوٰۃ اور صدقات واجبہ صرف انہی مصارف پر خرچ کیے جا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر ذرائع مثلاً خراج، جزیہ، عشور اور ضرائب وغیرہ سے حاصل ہونے والی آمدن کو لوگوں کی فلاح و بہبود اور انھیں دی جانے والی سہولیات کے منصوبوں پر خرچ کیا جائے۔

لیکن ہمارے ہاں ملک کا نظام سودی ہونے کی وجہ سے حکومت کو بہت سے مسائل

درپیش رہتے ہیں، اس لیے حکومت یہ ساری اشیاء لوگوں کو قیمتاً دیتی ہے۔ اگر بات قیمت تک رہتی تو وہ بھی قابل برداشت تھی، جبکہ حکومت عوام کو دی جانے والی ان سہولیات کے عوض کئی گنا قیمت وصول کرنے کے ساتھ ساتھ کئی قسم کے ٹیکس بھی وصول کرتی ہے جو کہ سراسر ظلم و ناانصافی ہے۔

قیمتوں پر کنٹرول (تسعیر)

قیمتوں پر کنٹرول کرنے یا نرخ مقرر کرنے کے لیے عربی زبان میں لفظ "تسعیر" استعمال کیا جاتا ہے۔ تسعیر کا مطلب ہے اشیاء کی قیمتوں، مزدوری، کرایہ اور منافع کی شرح کا تعین کرنا۔ کاروباری حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت قیمتوں پر کنٹرول کر سکتی ہے۔

تسعیر کے جواز اور عدم جواز کے بارے فقہاء کے ہاں اختلاف ہے۔

بعض فقہاء کے نزدیک حکومت قیمتیں مقرر کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

جبکہ بعض کہتے ہیں کہ جب قیمتیں مقرر کرنا ضروری ہو اور ایسا نہ کرنے سے عام صارف پر بوجھ پڑتا ہو تو حکومت کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ لوگوں کو پریشانی سے بچانے کے لیے قیمتوں کا تعین کرے۔

تسعیر کا عدم جواز:

عام حالات میں حکومت کو نرخ میں مداخلت کا اختیار حاصل نہیں ہے کیونکہ قیمتوں پر کنٹرول کرنے سے منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ اس سے اشیاء پیدا کرنے والوں کی حق تلفی ہوتی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خسارہ سے بچنے کے لیے تاجر اپنا مال بازار سے غائب کر دیتے ہیں اور تمام صارفین کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دفعہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے کہا کہ آپ غلہ کے نرخ مقرر کر دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا، تنگی پیدا کرنے والا، فراخی کرنے والا اور رزق دینے والا ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے رب کو اس حال میں ملوں کہ تم میں

سے کوئی بھی مجھ سے کسی خون یا مال کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔"❶

چنانچہ ایسی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے بعض فقہاء نے تسعیر کو ناجائز کہا ہے۔❷

جواز تسعیر:

جو فقہاء و ماہرین اقتصادیات تسعیر کے جواز کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں قیمتیں بڑھ جانے کا سبب بیان نہیں کیا گیا، لیکن بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ مدینہ میں زیادہ تر زرعی اجناس باہر سے درآمد کی جاتی تھیں اور دوسرے علاقوں اور ملکوں میں غلے کی کیا صورتحال تھی، اس بارے نبی ﷺ کو آگاہی نہیں تھی، اس لیے ممکن تھا کہ انہوں نے باہر سے غلہ مہنگا خریدا ہو اور اگر مدینہ میں یہاں کی پیداوار کے مطابق غلہ کی قیمت مقرر کر دی جاتی تو اس کی وجہ سے تاجروں کو نقصان اٹھانا پڑتا، اس لیے نبی ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔

تسعیر کے جواز کے قائل لوگوں کے مطابق مندرجہ ذیل اسباب کے پیش نظر قیمتیں مقرر کرنا جائز ہے۔

- غذائی قلت کا سبب اگر اجارہ داری، بے جا نفع، خوری اور احتکار جیسے مذموم کام ہوں تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کے مفاد کے لیے قیمتوں کو کنٹرول کرے۔
- تاجر حضرات آپس میں ایکا کر کے اشیاء کے نرخوں کے بارے میں زیادتی کرنے لگیں تو حکومت اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنے کی وجہ سے جب کسی چیز کا بحران پیدا ہو جائے اور جن کے پاس غلہ موجود ہو وہ من مانی قیمتیں وصول کرنے لگیں تو حکومت انہیں مقرر نرخ پر فروخت کرنے کیلیے مجبور کر سکتی ہے۔❸

❶ جامع ترمذی: 1314۔ ❷ اسلام اور جدید اقتصادی نظریات، صفحہ 453۔

❸ اسلام اور جدید اقتصادی نظریات از ڈاکٹر منور حسین چیمہ ص 455۔

سوالات

1- حکومت کی طرف سے عوام کی دی جانے والی سہولیات (بجلی، ٹیلی فون، سڑکیں اور سیوریج وغیرہ) پر نوٹ لکھیں۔

2- قیمتوں پر کنٹرول کس طرح کیا جاسکتا ہے؟

3- قیمتوں کے کنٹرول کے جواز اور عدم جواز پر نوٹ لکھیں؟

6

قانون وراثت

- تعریف و مفہوم
- تقسیم وراثت کے لوازمات
- ورثاء کی اقسام
- اسلامی قانون وراثت کی خصوصیات
- اسلام اور دیگر ادیان میں تقسیم میراث کا موازنہ

قانون وراثت

تعریف:

"اصطلاح میں اسے "علم الفرائض" کہا جاتا ہے جو کہ "فریضۃ" کی جمع ہے جو تقدیر و تعیین کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ علم الفرائض (قانون وراثت) سے مراد وہ علم ہے جس میں ورثاء کے حصص اور ان کی تقسیم کا طریقہ کار بیان کیا جائے۔

تقسیم وراثت کے لوازمات:

میت کے چھوڑے ہوئے مال کی تقسیم کے لیے اسلام کا قانون وراثت استعمال کیا جاتا ہے۔ ترکہ کی تقسیم سے پہلے کچھ لوازمات کی ادائیگی ضروری ہے۔ جن کی تفصیلی حسب ذیل ہے:

1 تجہیز و تکفین:

اگر کسی میت کے کفن و دفن کا انتظام کرنے والا کوئی نہ ہو تو سب سے پہلے اس کے ترکہ میں سے مناسب انداز سے کفن و دفن کا انتظام کیا جائے گا۔

2 ادائیگی قرض:

میت کے ذمہ جتنا قرض ہو اسے ادا کیا جائے خواہ ادائیگی میں تمام ترکہ صرف ہو جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((نَفْسُ الْمُؤمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ)) [1]

"مومن کی جان اس کے قرضے سے لٹکی رہتی ہے جب تک ادا نہ کیا جائے۔"

3 وصیت:

میت کی جائز وصیت کو پورا کیا جائے۔ جائز وصیت کی تین صورتیں ہیں۔

* ادائیگی قرض کے بعد ایک تہائی 1/3 یا اس سے کم کی وصیت ہو۔

[1] جامع ترمذی 1078۔

* ان ورثاء کے حق میں وصیت نہ ہو جو ترکہ میں سے حصہ لینے والے ہوں۔
* کسی حرام کام کی وصیت نہ ہو۔

اقسام ورثاء:

ورثاء کی تین اقسام ہیں:

* ذوی الفروض
* عصبات
* ذوی الارحام

ذوی الفروض:

اس سے مراد میت کے وہ ورثاء ہیں جن کے حصے کتاب و سنت میں متعین کر دیئے گئے ہیں۔ یہ تمام رشتہ داروں پر مقدم ہوتے ہیں اور یہ بارہ ہیں۔ چار مردوں میں سے اور آٹھ عورتوں میں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

خاوند	باپ	دادا	مادری بھائی
بیوی	ماں	دادی و نانی صحیحہ	بیٹی
پوتی/پڑپوتی	حقیقی بہن	پدری بہن	مادری بہن

عصبات:

عصبات "عصبہ" کی جمع ہے جس کا لفظی معنی ہے: "مضبوط کرنا۔"

اصطلاح شریعت میں میت کے باپ کی جانب سے رشتہ دار جو ذوی الفروض سے بچا ہوا حصہ لیتے ہیں، عصبات کہلاتے ہیں۔

ذوی الارحام:

اس سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جو میت سے قرابت رکھتے ہوں مگر ان کا شمار ذوی الفروض اور عصبات میں نہ ہو مثلاً ماموں، خالہ، پھوپھی، نواسا، بھتیجا، بھانجا وغیرہ۔

اسلامی قانون وراثت کی خصوصیات

اسلامی قانون وراثت کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

1 حقوق نسواں کی پاسداری:

ہندوستان و یونان کی تہذیبوں کو پڑھا جائے تو ان کے ہاں عورت حق وراثت سے محروم نظر آتی ہے، عربوں کے ہاں تو یہ دستور تھا کہ مرنے والے کی بیوی صرف وراثت سے ہی محروم نہ ہوتی بلکہ وہ خود وارث کی میراث میں چلی جاتی۔

اس دور جاہلیت میں بیٹی، بیوی اور بہن کو وراثت میں شریک نہ کیا جاتا۔ لیکن اسلام نے اس ظلم و ناانصافی کا خاتمہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ط نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ ﴾ (النساء : 7)

"اور عورتوں کے لیے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، اس میں سے جو اس مال سے تھوڑا ہو یا بہت، اس حال میں کہ مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔"

چنانچہ اسلام نے ماں، بہن، بیٹی، بیوی حتی کہ پوتی کا بھی حصہ بیان کر دیا اور ان سب کو وراثت کا حق دار بنا دیا۔

2 انسانی فطرت سے مطابقت:

اسلام نے یہ مشروع نہیں کیا کہ میت کا سارا مال (ترکہ) محتاجوں میں تقسیم کر دیا جائے یا حکومت کی تحویل میں دے دیا جائے، بلکہ اسلام نے اس ترکہ کو ذوی الفروض پر تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں قریبی و بعیدی رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیا ہے اور ایک ایسا جامع ترین نظام وضع کر دیا جو فطری خواہشات کے عین مطابق ہے۔ ان قوانین و ضوابط کی وجہ سے خاندانوں میں تعلق مزید مضبوط ہوتا ہے۔

3 حقوق کی حد بندی:

اسلام نے تمام ورثاء کے حصص اور حقوق متعین کر دیئے ہیں جس سے تنازعات و فسادات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کوئی مورث اپنی پسند و ناپسند کو پیش نظر رکھتے ہوئے ورثاء کے

حصص میں کمی و بیشی کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان یہ نہیں جانتا ہے کہ کون اس کے حق میں نافع ہے اور کون نہیں؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ط ﴾ (النساء:11)

"تم نہیں جانتے کہ تمہارے آباء و ابناء میں کون تمہارے لیے زیادہ نفع مند ہیں۔"

4 تفریق کا خاتمہ:

دور جاہلیت کے لوگوں میں یہ عام دستور تھا کہ وراثت کا حقدار وہی ٹھہرتا جو جنگ کرنے کے قابل ہوتا، جس کی وجہ سے چھوٹے بچوں اور عورتوں کو اکثر طور پر وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ اسلام نے کمزوروں کے استحصال اور چھوٹے بڑے کی تفریق کو ختم کرتے ہوئے سب کو مساوی کر دیا۔

5 باہمی محبت و ہمدردی:

اسلام کے قانون وراثت میں یہ ترغیب دی گئی ہے کہ انسان اپنی زندگی میں سارا مال فضولیات اور عیاشیوں میں صرف کرنے کی بجائے کفایت شعاری سے کام لے اور اپنے ورثاء کو صاحب مال چھوڑ کر جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سارا مال خرچ کر دے اور اس کی اولاد اور ورثاء لوگوں کے محتاج بن جائیں۔ نبی ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((اِنَّكَ اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ)) [1]

"اگر تو اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ تو انہیں کنگال چھوڑے اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔"

جب مورث اپنے ورثاء کے لیے مال چھوڑ کر جائے گا اس سے مورث کی محبت و ہمدردی کا اندازہ ہوگا۔ اسی چیز کے پیش نظر شریعت نے یہ حکم دیا ہے۔

[1] الصحیح للبخاری: 1295۔

6 قانون وصیت:

اگر کسی آدمی کا کوئی بھائی، بہن یا کوئی اور قریبی مفلوک الحال ہو تو شریعت نے بذریعہ وصیت ان کی دادرسی کی ترغیب کی ہے۔ اور کل مال میں سے ایک تہائی حصہ وہ اپنے قریبی لوگوں کو دے سکتا ہے۔ ایسا نظام دنیا کے کسی نظام معیشت میں نہیں ہے۔

7 تقدیم اولاد:

انسان کو فطری طور پر سب سے زیادہ محبت اپنی اولاد سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اسلام نے بھی دوسرے ورثاء کے مقابلہ میں اولاد کو زیادہ مقام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ﴾ (النسا:11)

”اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مذکر کے لیے مونث کی بہ نسبت دو حصے ہیں۔“

اسلام کے قانون وراثت اور دیگر ادیان میں تقسیم میراث کا موازنہ

دیگر ادیان	اسلام
* دور جاہلیت میں عورتوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور مردوں میں سے بھی صرف انہیں حصہ ملتا جو جنگ کے قابل ہوتے۔	* اسلام نے مال میں سے بہن، بیٹی اور بیوی کے حصص مقرر فرمائے، نیز اس میں چھوٹے اور بڑے کی کوئی تخصیص نہیں کی ایک بچے کو بھی وہی حصہ ملے گا جو ایک 40 سالہ مرد کامل کو دیا جاتا ہے۔
* زمانہ جاہلیت میں منہ بولے بیٹے کو وراثت میں حصہ دار سمجھا جاتا تھا۔	* اسلام نے ایسے کام کو باطل ٹھہرایا اور منہ بولے بیٹے کو اس کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر کے پکارنے کا حکم دیا نیز

	وراثت میں اسے حصہ دار نہیں بنایا۔
* دور جاہلیت میں کسی کو حلف اور معاہدہ کے ذریعے وراثت میں شریک کر لیا جاتا تھا۔	* اسلام نے جاہلیت کے تمام حلف ختم کرتے ہوئے ایسے معاہدے کو باطل قرار دیا۔ لہٰذا اسلامی قانون وراثت میں کسی کو حلف اور معاہدہ کے ذریعے شریک وراثت نہیں بنایا جا سکتا۔
* ہندی تہذیب کے مطابق عورت اپنے خاوند کی وفات کے بعد اس کی وراثت سے کچھ نہیں لے سکتی، بلکہ عورت کو بھی مرد کے ساتھ زندہ جلایا جاتا رہا ہے۔	* اسلام نے اپنے قانون وراثت میں عورت (بیوی) کو چوتھے یا آٹھویں حصے کا وارث بنایا اور اسے ایک باعزت زندگی دی۔
* دنیا کے بہت سے مذاہب میں اپنے مال سے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔	* اسلام نے عوامی فلاح و بہبود کے لیے ایک تہائی حصہ تک وصیت کو جائز قرار دیا، تاکہ ورثاء کے علاوہ دیگر اعزہ و اقارب کو بھی اس مال سے فوائد حاصل ہو سکیں۔
* کچھ مذاہب میں لاوارث شخص کے مال کو حکومت کی تحویل میں لے لیا جاتا ہے۔	* اسلام میں ایسے شخص کا مال جس کا کوئی قریبی وارث نہ ہو، ذوی الارحام اور عصبات میں تقسیم کیا جاتا ہے اور کسی بھی قریبی و بعیدی رشتہ دار کے نہ ہونے کی صورت میں اسے بیت المال میں جمع کروایا جاتا ہے۔

سوالات

-1 تقسیم وراثت کے لوازمات اور اقسام ورثاء پر نوٹ لکھیں۔

-2 اسلامی قانون وراثت کی خصوصیات کا جائزہ لیجئے۔

-3 اسلام کے قانون وراثت اور دیگر ادیان میں تقسیم میراث کا موازنہ کریں۔

7

زراعت اور اسلام

- لغوی و اصطلاحی مفہوم
- مزارعت
- مساقاۃ
- اجارۃ
- احیائے موات

زراعت اور اسلام

زراعت کسی بھی معاشی نظام کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ زراعت اور زرعی پیداوار انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے۔ زراعت کے بارے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾ ﴾ (الواقعه: 63-65)

"پھر کیا تم نے دیکھا، جو تم بوتے ہو، کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم ہی اگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ضرور اسے ریزہ ریزہ کر دیں، پھر تم تعجب سے باتیں بناتے رہ جاؤ، کہ بے شک ہم تو تاوان ڈال دیئے گئے ہیں۔"

انسان کی خوراک کے لیے استعمال ہونے والی ہر چیز بذریعہ زراعت ہی ممکن ہے۔ اس لیے اسلام نے اس کی بھی اہمیت بیان کی ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا يَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ اَوْ بَهِيمَةٌ اِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ)) ❶

"کوئی مسلمان کوئی درخت لگائے یا کھیتی کاشت کرے، جس سے کوئی پرندہ، انسان یا جانور کھائے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔"

اہل مدینہ میں بہت سے لوگوں کا پیشہ زراعت ہی تھا۔ قرآن وسنت کے نصوص اور تعامل صحابہ کی بناء پر بعض علماء کہتے ہیں زراعت تجارت وصنعت سے افضل ہے۔

❶ الصحیح للبخاری: 2320.

زراعت کا لغوی معنیٰ:

زراعت کا مادہ (ز۔ر۔ع) ہے۔ یہ لفظ تین معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

- اِنْبَاط یعنی (اگانا)
- طَرْحُ بِزْرٍ فِي الْاَرْضِ (زمین میں بیج بونا)
- نَبَاتُ كُلِّ شَيْءٍ (ہر چیز کی اگی ہوئی کھیتی)

چنانچہ جب لفظ زرع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو پہلا معنی (انباط) مراد لیا جائے گا کیونکہ کسی چیز کو اگانا اللہ تعالیٰ کی ہی صفت ہے۔ جب اس لفظ کی نسبت کسی انسان کی طرف کی جائے تو دوسرا معنی (طَرْحُ بِزْرٍ فِي الْاَرْضِ) مراد لیا جائے گا۔

اور تیسرے معنی کی بنیاد پر اس کی جمع زروع آتی ہے یعنی متعدد چیزوں کی کھیتی مثلاً گندم، جو اور دھان کی فصل وغیرہ۔ ❶

زراعت کا براہ راست تعلق زمین کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ زراعت کا پیشہ وہی اپنا سکتا ہے جس کے پاس زمین ہو، لیکن جو آدمی زمین کی ملکیت نہ رکھتا ہو اور وہ زراعت کا پیشہ اپنانا چاہے تو وہ اپنے لیے درج ذیل چار (4) معاملات میں سے کوئی بھی ایک معاملہ اختیار کر سکتا ہے۔

① مزارعت ② مساقاۃ ③ اجارہ ④ احیائے موات

ان چاروں اقسام کی تعریفات اور ان سے متعلقہ احکام ومسائل درج ذیل ہیں:

❶ مزارعت

لغوی تعریف:

"لفظ مزارعۃ باب مفاعلہ کا مصدر ہے: جس کا معنی ہے "باہمی طور پر کاشت کاری کرنا"۔ عربی زبان میں اس کے لیے محاقلہ اور مخابرہ کی اصطلاحات بھی رائج ہیں۔"

اصطلاحی تعریف:

"زمین ایک شخص کی ہو اور وہ خود اس میں زراعت کا پیشہ اپنانے کی بجائے یہ زمین

❶ اسلام اور جدید اقتصادی نظریات از ڈاکٹر منور حسن، صفحہ 491۔

کسی دوسرے شخص کو کاشتکاری کے لیے دے دے تو اسے "مزارعت" کہتے ہیں۔"

جیسا کہ نبی ﷺ جب خیبر کے مالک بن گئے تو آپ نے وہاں کی زمینیں خیبر کے باسیوں کو ہی مخابرت اور مزارعت کے طور پر دے دیں اور ان سے یہ طے کر لیا تھا کہ اس زمین میں تم کام کرو اور تمہارے لیے اس کی آدھی پیدوار ہوگی۔

احکام و مسائل:

مزارعت میں معاملہ فریقین کا ہوتا ہے، جس میں ایک زمیندار اور دوسرا کاشت کار ہوتا ہے۔ مزارعت کا معاہدہ کرنے سے پہلے درج ذیل احکام و مسائل کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

- جو کچھ بھی آپس میں طے کریں اسے تحریر کریں تا کہ آگے چل کر دونوں کے درمیان کوئی نزاع پیدا نہ ہو سکے۔
- ایک شخص کی زمین ہوگی اور دوسرے کی محنت۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر سے معاملہ طے کیا تھا۔
- اگر دو یا زیادہ اشخاص محنت، بیج، آلات اور بیلوں میں باہم شریک ہوں تو وہ پیداوار میں ایک دوسرے کے شریک ہوں گے۔
- مزارعت یا مساقاۃ میں کسی ایک معین جگہ کی پیداوار کوئی ایک فریق اپنے لیے مخصوص نہیں کر سکتا۔
- آغاز میں طے کر لیا جائے کہ کون سا فریق کتنا حصہ لے گا مثلاً نصف، ربع یا ثلث۔
- اگر کسی آفت کی وجہ سے پیداوار حاصل نہ ہو سکے اور نقصان ہو جائے تو کوئی بھی فریق دوسرے شخص سے تاوان کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔
- حصص کی تقسیم کیے گئے معاہدہ کے مطابق ہوگی۔

❷ مساقاۃ

لغوی تعریف:

لفظ "مساقاۃ" باب مفاعلہ سے ہے اس کا مادہ: س۔ق۔ی (سَقْیٌ) ہے۔ اس کا

معنی ہے "آب پاشی" (زمین کو سینچنا) مساقاۃ درختوں اور باغات میں ہوتی ہے۔

اصطلاحی تعریف:

"باغ یا درختوں کو اس شرط پر کسی کے حوالے کر دینا کہ وہ باغ کے ان درختوں کا خیال رکھے، انہیں پانی دے اور جو پیداوار حاصل ہوگی وہ دونوں میں برابر ہوگی۔"

یعنی ایک شخص کا باغ ہوتا ہے دوسرے کی محنت اور پھلوں میں دونوں کی مشارکت ہوگی۔

مسلمانانِ مکہ جب ہجرت کر کے مدینہ گئے تو ان کی تنگدستی اور بے سروسامانی دیکھ کر انصار مدینہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ہمارے کھجوروں کے باغات ہمارے اور مہاجرین بھائیوں کے درمیان تقسیم فرما دیجئے۔ آپ ﷺ اور مہاجرین نے اس پیشکش کو قبول نہ کیا تو انصار نے کہا کہ آپ لوگ ہمارے باغات میں محنت و مزدوری کریں ہم پھلوں میں آپ کو شریک کر لیں گے۔ تو مہاجرین نے اسے قبول فرما لیا۔[1]

انصار و مہاجرین کے درمیان طے ہونے والا یہ معاہدہ اسلام میں "مساقاۃ" کہلاتا ہے۔

احکام و مسائل:

مساقاۃ کے لیے بھی درج ذیل احکام و مسائل کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

- مساقاۃ میں فریقین کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے۔
- جس باغ کو مساقاۃ پر دیا جائے اس کے درخت پھل دینے کے قابل ہوں۔
- کارکن باغ میں ہر وہ کام کرے گا جو پیداوار کی اصلاح ونشوونما کے لیے ضروری ہے۔ مثلاً پانی دینا، گھاس کاٹنا، نالیوں کو صاف کرنا، درختوں کو نقصان پہنچانے والی خشک ٹہنیوں کو کاٹنا، باغ کی حفاظت کرنا وغیرہ۔
- فریقین کے حصص متعین کر دیئے جائیں۔
- اگر وقت سے پہلے معاہدہ ختم کر دیا جائے تو تمام پھل مالک کا ہے لیکن کارکن کو اس کی محنت کا معاوضہ دیا جائے گا خواہ پھل اترا ہو یا نہ اترا ہو۔

❶ الصحیح للبخاری: 2325۔

3 اجارہ

تعریف و مشروعیت:

"کسی چیز کے نفع یا عوض کے مقابل کسی شخص کو مالک بنا دینا "اجارہ" کہلاتا ہے۔"

اسلامی فقہ میں لگان کو اجارہ یا کرایہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح زمین کو ٹھیکہ اور کرایہ پر دینا بھی "اجارہ" میں آتا ہے۔

"حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع کیا اور اجارہ کا حکم دیا اور فرمایا: اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔" ❶

"سیّدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے چچا نے کہا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کھیتی کی چوتھائی پیداوار یا ایسی چیز کے بدلہ میں جسے کسی زمین کا مالک مستثنیٰ کر لیتا تھا، زمین کو کرایہ پر دے دیتے، آپ ﷺ نے ہمیں اس چیز سے منع فرمایا، میں نے رافع سے کہا: زمین کو درہم و دینار کے ساتھ ٹھیکہ پر دینا کیسا ہے؟ انہوں نے کہا: اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔" ❷

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عام اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ درہم و دنانیر یا کسی اور چیز کے عوض زمین کو کرایہ پر دینا اور لینا جائز ہے۔"

احکام و مسائل:

اجارہ کے لیے مندرجہ ذیل احکام و مسائل ہیں:

* دکان، مکان اور کھیت کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔
* زمین زراعت کے لیے اجارہ پر دی اور زراعت کو کوئی آفت آ پہنچی مثلاً کھیت پانی سے ڈوب گیا تو کرایہ کا جو حصہ آفت پہنچنے سے پہلے کا ہے وہ دینا ہوگا اور آفت پہنچنے کے

❶ الصحیح للمسلم: 1549۔

❷ سنن النسائی: 3898۔

بعد والا حصہ ساقط ہو جائے گا۔

* اگر کھیت ایک سال کے لیے کرایہ پر دیا گیا ہے تو لینے والا سال میں جتنی چاہے فصلیں بو سکتا ہے۔
* زمین کو کسی بھی کام کے لیے کرایہ پر دیا جا سکتا ہے مثلاً مٹی کے برتن، اینٹیں بنانے یا جانوروں کو دوپہر یا رات میں ٹھہرانے کے لیے دینا۔ ❶

4 احیائے موات

لغوی تعریف:

"احیاء" کا لفظی معنی ہے "زندہ کرنا" اور "موات" کا معنی ہے "مردہ"۔

اصطلاحی تعریف:

جب اس لفظ کو زراعت کی اصطلاح میں استعمال کریں تو بنجر اور ناکارہ زمین کو قابل کاشت بنانا "احیائے موات" کہلاتا ہے۔

ناقابل کاشت زمین مردہ زمین ہے اور اسے قابل کاشت بنانا اسے زندگی بخشنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ اس مفہوم کو واضح کرنے کے لیے قرآن کریم نے بھی یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ (الفاطر: 9)

"ہم نے زمین کو اس کے بنجر ہو جانے کے بعد آباد کیا۔"

خشک، چٹیل میدان، ریتلی زمین اور خشک ٹیلے عام طور پر ناقابل زراعت ہوتے ہیں لیکن سخت محنت اور بعض زراعتی تدابیر کے ذریعے ان میں سے اکثر حصہ کو قابل کاشت بنایا جا سکتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام کا یہ بھی ایک اہم حصہ ہے کہ ملک کی اس قسم کی تمام زمینوں کو زراعت کے قابل بنایا جائے اور خام پیداوار سے ملک کو مالا مال کیا جائے اور حتی الامکان

❶ اسلام اور جدید اقتصادی نظریات از ڈاکٹر منور حسین، صفحہ 509۔510۔

زمینوں کو بنجر نہ رہنے دیا جائے اور جو زمینیں قابل کاشت ہونے کے باوجود غیر آباد پڑی ہیں یا لاوارث ہیں انہیں بھی مزروعہ بنایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَحْیٰی اَرْضًا مَیْتَةً فَهِیَ لَهٗ)) ❶

”جو شخص کسی بنجر زمین کو قابل کاشت بنائے وہ اسی کی ہے۔“

احکام ومسائل:

احیائے موات کے لیے بھی مندرجہ ذیل قواعد وضوابط ہیں:

- ایسی زمین بستی یا شہر والوں کی مشترکہ ضروریات کی تکمیل میں نہ آتی ہو، یعنی عام شہری ضروریات کے کام نہ آتی ہو، مثلاً تفریح گاہ، مویشیوں کی چراگاہ، ایندھن حاصل کرنے کی جگہ یا قبرستان کے لیے مختص نہ ہو۔
- اگر کوئی شخص حاکم سے اجازت حاصل کر لینے کے بعد اسے بنجر ہی رہنے دے تو زمین اس سے واپس لے کر دوسرے شخص کو دے دی جائے جیسا کہ نبی ﷺ کے دور میں بلال بن حارث مزنی کو ایک رقبہ دیا گیا تھا، لیکن وہ اس میں کاشت نہ کر سکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کی ضروریات کے مطابق زمین ان کے پاس رہنے دی اور بقیہ رقبہ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ ❷
- ایسی زمین کسی کنویں، تالاب، باڑے یا چشمہ وغیرہ کے لیے نہ چھوڑی گئی ہو۔
- حاکم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ غیر مزروعہ زمین کسی بھی شخص کو بطور جاگیر دے سکتا ہے۔
- عشر وغیرہ کے معاملات میں اس پر وہی احکام لاگو ہوں گے جو عام زمینوں پر لاگو ہوتے ہیں۔

سوالات

1- زراعت کا لغوی واصطلاحی معنی ومفہوم تحریر کرتے ہوئے زراعت کی اہمیت پر نوٹ لکھیں۔

2- زراعت کی مختلف صورتوں اجارہ واحیائے موات پر نوٹ لکھیں۔

3- مزارعت ومساقاۃ کی تعریفات بمع احکام ومسائل تحریر کریں۔

❶ سنن ابی داود: 3073۔

❷ سنن ابی داؤد: 3063.

8

تجارت

- تجارت کے بنیادی اصول وضوابط
- تجارتی بدعنوانیوں کا سد باب
- تجارت میں امداد باہمی کے طریقے
- مضاربت (تعریف واقسام)
- شراکت (تعریف واقسام)
- اسلام میں منافع کا تصور

تجارت

وسائل معیشت میں تجارت ایک اہم ترین وسیلہ ہے اور تجارت کی توسیع اقتصادی نظام کا جزو اعظم ہے۔ تجارت ایک وسیع المعنی لفظ ہے، جس کا ابتدائی درجہ گھریلو اشیاء کی خرید و فروخت ہے اور اس سے اوپر کا درجہ بیوپار اور سوداگری اور سب سے اعلیٰ درجہ کاروبار ہے، جس کے لیے انگریزی لفظ کامرس (Commerce) بولا جاتا ہے، جس کا معنی ہے ''بڑے پیمانے پر تجارت۔''

انسان کی اقتصادی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ تجارت ہے۔ تجارت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی پیشہ نہیں جو مادی، روحانی، دینی اور دنیاوی فوائد ایک وقت میں دے سکے۔ تجارت کے ذریعہ دولت ہی حاصل نہیں ہوتی، بلکہ ایک ایسی چیز بھی حاصل ہوتی ہے جو کسی طرح بھی دولت سے کم حیثیت نہیں رکھتی، وہ ہے آزادی، جو آزادی ایک تاجر کو حاصل ہوتی ہے وہ کسی پیشہ ور کو تو کیا کسی بادشاہ کو بھی حاصل نہیں ہوتی۔ [1]

لہٰذا اسلام نے بھی اپنے معاشی نظام میں اس کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی ترغیب دی ہے اور تجارت کو وسعت دینے کے لیے آئین وقوانین ذکر کیے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (الجمعة:10)

''جب نماز مکمل ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (روزی) تلاش اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

[1] اسلام اور جدید اقتصادی نظریات، از ڈاکٹر منور حسین چیمہ صفحہ 558۔

یہاں فضل سے مراد ''طلب رزق و مال'' ہے۔ آیت کا شان نزول ترغیب تجارت پر مبنی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر تجارت کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾ (النساء:29)

''اے ایمان والو! اپنے اموال آپس میں غلط طریقے سے مت کھاؤ، ہاں! تمہاری رضامندی سے تجارت ہو (تو اور بات ہے)۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ﴾ (النور:37)

''ایسے لوگ جنہیں تجارت ذکر الٰہی، قیام نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتی۔''

نیز نبی ﷺ نے ایک اچھے تاجر کے بارے میں فرمایا:

((اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ)) [1]

تجارت کے بنیادی اصول وضوابط

اسلام کے اقتصادی نظام میں تجارت اور باہمی کاروبار کے درست ہونے کا دارومدار مندرجہ ذیل قواعد وضوابط پر ہے۔

- تجارت کا جواز چونکہ باہمی تعاون پر قائم ہے اس لیے تجارت کے تمام معاملات میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کا جذبہ ضروری ہے۔
- تجارت صرف ان اشیاء کی کی جا سکتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال وطیب قرار دیا

[1] جامع ترمذی: 1209۔

ہے۔ مردار، خنزیر اور شراب وغیرہ کی تجارت حرام ہے۔

- معاملہ میں فریقین کی طرف سے حقیقی رضامندی کا ہونا ضروری ہے۔ اضطراری رضا معتبر نہیں۔
- بعض لوگ اپنے گاہک کو مطمئن کرنے کے لیے کثرت سے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور اس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے تجارت میں بے برکتی کا سامان قرار دیا ہے۔
- فریقین معاملہ کی اہلیت بھی رکھتے ہوں یعنی عاقل بالغ اور آزاد ہوں۔ اس لیے بچہ، مجنون اور مجبور و مقہور کی بیع معتبر نہیں ہوگی۔
- دوران کاروبار حقوق اللہ کی ادائیگی بھی ضروری ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ ﴾ (الجمعة:9)

"اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دے دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور تجارت چھوڑ دو، اگر تمہیں علم ہے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

- معاملہ میں کسی قسم کا دھوکہ اور خیانت نہ ہو۔ ایسی تجارت بیع غرر کے ضمن میں آتی ہے۔
- گاہک سے جس چیز کا سودا کیا جائے اسے وہی دی جائے۔ اچھی چیز کے دام وصول کر کے ناقص چیز دینا شریعت اسلامیہ نے حرام قرار دیا ہے۔
- تاجروں میں رواج ہے کہ خریدار سودا کرنے کے بعد بیچنے والے کو بیعانہ دے کر پابند بنا لیتا ہے اور پھر بیعانہ دینے والا اس چیز کو نہ خرید سکے تو بائع وہ رقم ضبط کر لیتا ہے۔ اسلام میں یہ طریقہ کار جائز نہیں بلکہ اگر بیعانہ خریدنے والے کو واپس کر دیا جائے گا۔
- خرید و فروخت میں نرمی اور آسانی کی جائے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ، وَإِذَا اشْتَرَى، وَإِذَا اقْتَضَى))[1]

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو، بیچنے خریدنے اور تقاضہ کرنے میں آسانی کرتا ہے۔"

تجارتی بدعنوانیوں کا سدباب

تجارت کو اقتصادی نظام کا اہم جزو قرار دینے اور اپنے نظام اقتصاد میں تجارتی سہولتیں اور آسانیاں فراہم کرنے کے باوجود اسلام کا اقتصادی نظام ان تمام بدعنوانیوں کا سدباب کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے جو درحقیقت اس عظیم نظام اقتصاد کے مقصد اور نصب العین کو تباہ و برباد کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ اقتصادی نظام کو برباد کرنے اور اسے کھوکھلا بنانے میں جس قدر بھی تفصیلات و جزئیات ہو سکتی ہیں وہ مندرجہ ذیل پانچ چیزوں پر قائم ہیں۔

- احتکار
- اکتناز
- جوا
- سود
- رشوت

معاشرہ سے بدعنوانی اور کرپشن کے خاتمہ کے لیے ان پانچ معاملات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہوگا۔

تجارت میں امداد باہمی کے طریقے

اسلام نے امداد باہمی کے ان صحیح طریقوں کی حوصلہ افزائی کی ہے جو سود کی نجاست سے محفوظ رہ کر حقیقی مقاصد کو پورا کرتے ہیں اور خود بھی اپنی جانب سے ان صحیح مسائل کی طرف رہنمائی کی ہے، جن کے ذریعہ ہنرمند مقروض لوگوں کی زندگی کو سہارا مل سکے۔ چونکہ امداد باہمی اجتماعی زندگی کا اہم ترین حصہ ہے جو مذہب، سیاست، معاشرت اور اقتصاد کے تمام شعبوں کو یکساں حاوی ہے۔ اسی لیے قرآن نے باہمی تعاون اور امداد کی ترغیب دی

[1] الصحیح للبخاری: 2076۔

ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪﴾

(المائدہ:2)

"نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) پر ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ و دشمنی پر تعاون مت کرو۔"

اسلام کے تجارتی معاملات میں کچھ ایسے طریقے بیان کیے گئے ہیں جن سے امداد باہمی ممکن ہے۔گزشتہ اوراق میں بیان کیے گئے مزارعت، مساقاۃ، اجارہ اور احیائے موات جیسے معاملات، امداد باہمی ہی کے طریقے ہیں۔امداد باہمی کے بہت ہی نفع بخش دو طریقے درج ذیل ہیں۔

① مضاربت ② مشارکت

ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

① مضاربت

لغوی تعریف:

لفظ مضاربت "ضرب" سے مشتق ہے۔

مضاربت مفاعلۃ کی وزن پر ہے۔جس کا مطلب ہے: "باہمی طور پر مل کر چلنا۔"

قرآن مجید میں اس لفظ کو تجارتی سفر کے لیے استعمال کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ﴾ (المزمل:20)

"اور کچھ لوگ زمین پر چل پھر کر اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرتے ہیں۔"

اصطلاحی تعریف:

مضاربت کا مطلب ہے ایک شخص کا سرمایہ ہو اور دوسرے کی محنت ہو اور نفع برابر میں تقسیم ہو۔یاد رکھیے! مضاربت میں جس طرح دونوں فریق نفع میں شریک ہوتے ہیں، اسی طرح نقصان میں بھی برابر کے شریک ہوں گے۔اگر خدانخواستہ کاروبار میں نقصان ہو جائے

تو سرمایہ کاری کرنے والے کا سرمایہ اور محنت کرنے والے کی محنت رائیگاں جائے گی۔

نبوت سے پہلے نبی ﷺ نے بُصریٰ کی منڈی میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کی تجارت مضاربت کے اصول پر ہی کی تھی۔مضاربہ میں دونوں فریقوں کو بہت حد تک فائدہ ہوتا ہے۔مثلاً ایک آدمی کے پاس سرمایہ ہے لیکن وہ تجارت اور اس کے اصولوں سے ناواقف ہے جبکہ دوسرا شخص سرمایہ سے محروم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تجارتی معاملات میں اسے بڑی صلاحیتوں سے نوازا ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

"معاونت باہمی کی چند قسمیں ہیں ان میں سے ایک مضاربت ہے وہ یہ ہے کہ مال ایک شخص کا ہو اور محنت دوسرے شخص کی اور فریقین کی رضامندی کے ساتھ نفع و نقصان دونوں کے درمیان برابر تقسیم ہو۔"

گویا مضاربت کے کاروبار میں سرمایہ دار کا سرمایہ لعنت نہیں بلکہ رحمت بن جائے گا اور ہنر مند کی محنت اور کاروباری استعداد رائیگاں ہونے کی بجائے کارآمد اور نفع بخش ثابت ہو گی۔نتیجتاً یہ کنز بن کر احتکار و اکتناز کا باعث ہو گا اور نہ ہی ہنر مند اصحاب ضرورت کے ہنر پر قفل پڑے گا، لہٰذا معاشرتی زندگی میں فاقہ کشی جیسے معاملات بھی ختم ہو جائیں گے۔

اقسام مضاربت:

مضاربت کی دو بڑی قسمیں ہیں۔

① مضاربت مطلقہ ② مضاربت مقیدہ

① مضاربت مُطلَقہ:

"مضاربت کا وہ معاہدہ جس میں زمانہ، مقام، اشیاء تجارت یا تجارت کے بائع و مشتری کا تعین نہ کیا گیا ہو "مضاربت مُطلَقہ" کہلاتی ہے۔"

مضاربت مقیدہ:

"مضاربت کا وہ معاہدہ جس میں زمانہ، مقام، اشیائے تجارت وغیرہ میں سے

کسی چیز کی قید لگائی گئی ہو"مضاربت مقیدہ" کہلاتی ہے۔"

② شراکت

لغوی تعریف:

"شراکت کا لغوی معنی ہے حصہ دار بننا، اسے مشارکہ بھی کہا جاتا ہے۔"

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اپنی کتاب شراکت و مضاربت کے شرعی اصول میں شراکت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

شراکت یہ ہے کہ:

"دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار میں متعین سرمایوں کے ساتھ اس معاہدہ کے تحت شریک ہوں کہ سب مل کر کاروبار کریں گے اور کاروبار کے نفع ونقصان میں متعین نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔"

شراکت بھی مضاربت کی طرح امداد باہمی کا ایک بہترین طریقہ ہے، مثلاً ایک آدمی کے پاس سرمایہ تھوڑا ہے اور جس تجارت میں وہ مہارت رکھتا ہے اس کے لیے وہ سرمایہ ناکافی ہے تو وہ اپنے جیسے کسی دوسرے شخص کو ساتھ ملا لیتا ہے تو اس طرح دونوں کا مال اور سرمایہ ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔

شراکت کے کاروبار کے معاملہ میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے:

((اَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَالَمْ يَخُنْ اَحَدُهُما صاحِبَهُ فإذَا خَانَهُ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا)) ❶

"دو شریکوں کا تیسرا میں ہوتا ہوں، جب تک ایک دوسرے کو دھوکہ نہیں دیتا، جب ایک ساتھی دوسرے کو دھوکہ دیتا ہے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں۔"

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما عبداللہ بن ہشام سے کہا

❶ سنن ابی داؤد: 3383.

کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری تجارت میں برکت کی دعا دی ہے، اس لیے ہمیں بھی اس میں شامل کر لو۔ ❶

اقسام شراکت:

شراکت کی بھی مندرجہ ذیل دو قسمیں ہیں:

① شراکت ملک ② شراکت عقد

❶ شراکت ملک:

"دو یا دو سے زائد افراد کا بغیر کسی معاہدہ کے کسی چیز میں شامل ہو جانا شراکت ملک کہلاتا ہے۔" مثلاً دو آدمی اپنے اپنے مال کو اکٹھا کر لیں تو وہ مال دونوں کا مشترک ہوگا، یا کسی شخص نے دو آدمیوں کو اپنا مال ہبہ کیا یا وصیت کر دی، ان دونوں نے اسے قبول کر لیا تو وہ دونوں اس مال میں شریک ہوں گے اور اس شراکت کو "شراکت ملک" کہا جائے گا۔ اس شراکت سے ہر آدمی اپنے حصہ کو بیچنے یا ہبہ کرنے کا حق رکھتا ہے، اسے دوسرے شریک سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

❷ شراکت عقد:

"عقد کا معنی ہے "گرہ لگانا" دو یا دو سے زائد افراد کا کسی معاہدہ کے تحت کسی چیز میں شامل ہو جانا "شراکت عقد" کہلاتا ہے۔"

اس شراکت کے تحت کوئی بھی حصہ دار دوسرے کی اجازت کے بغیر کوئی نیا معاملہ نہیں کر سکتا اور مشترکہ سرمایہ میں دونوں کا نفع ونقصان بھی مشترک ہوگا۔

شراکت عقد کی اقسام:

شراکت عقد کی مزید چار اقسام ہیں:

① شراکت مفاوضہ ② شراکت عنان

③ شراکت صنائع ④ شراکت وجوہ

❶ الصحیح للبخاری: 2501۔

1 شراکت مفاوضہ:

عربی زبان میں لفظ مفاوضہ کا معنی ہے ''معاملات ایک دوسرے کو سونپ دینا'' شراکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو فریق مساوی مال میں شراکت کریں اور ہر فریق دوسرے کو اپنا وکیل وکفیل بنا لے، لہٰذا وہ اپنی شراکت میں تصرفات کرنے کے اہل ہوں گے۔ لیکن اس شراکت کے لیے ضروری ہے کہ دونوں شریک آزاد اور عاقل و بالغ ہوں۔

2 شراکت عنان:

''ایسی شراکت جس میں فریقین غیر مساوی طور پر شراکت کریں ''شراکت عنان'' کہلاتی ہے۔''

اس میں سرمایہ کا مساوی ہونا ضروری نہیں ہے، نیز منافع کی شرح بھی ان کے آپس میں طے کردہ معاملات کے مطابق ہوگی۔

3 شراکت صنائع:

''ایسی شراکت جو ہنرمندوں کے درمیان ہوتی ہے شراکت صنائع کہلاتی ہے۔''

یعنی جو لوگ ہاتھ سے کام کرنے والے کاریگر ہوں، مثلاً دو بڑھئی آپس میں مشارکت کر لیں یا دو لوہار۔ یہ شراکت اس طرح ہوتی ہے کہ وہ اکٹھا کام کریں گے اور مزدوری آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ شراکت صنائع کو ''شراکت بالابدان'' اور ''شراکت بالعمل'' بھی کہا جاتا ہے۔

4 شراکت وجوہ:

''ایسی شراکت جس میں دو اشخاص بغیر کسی سرمائے کے یہ معاہدہ کر لیں کہ دونوں اپنی سماجی ساکھ اور امانت و دیانت سے خرید و فروخت کریں گے اور نفع و نقصان میں شریک رہیں گے، ''شراکت وجوہ'' کہلاتی ہے۔''

اسے شراکت وجوہ کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ادھار مال وہی خرید سکتا ہے جس کا چہرہ ساکھ کے اعتبار سے وجاہت رکھتا ہے۔

اسلام میں منافع کا تصور

اسلام نے منافع کی کوئی شرح متعین نہیں کی، لیکن اسلام نے کسی بڑے تاجر کو لوگوں کا استحصال کرنے کی ہی اجازت نہیں دی ہے۔ انسانی فطرت کی رو سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی کاروبار میں انسان جو محنت و جدوجہد کرتا ہے اس کا مقصد نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ نفع ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو مشکل سے مشکل حالات میں بھی پست ہمت نہیں ہونے دیتا اور نفع ہی ہے جو اسے جہد مسلسل کا درس دیتا ہے۔ اگر نفع کا لالچ نہ رہے تو کاروبار ماند پڑ جاتا ہے اور معاشی ترقی بھی رک جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے منافع لینے کی اجازت دی ہے اور اسے انسان کی ملکیت قرار دیا ہے لیکن اسلام نے اس ضمن میں چند حدود بھی مقرر کی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

* شریعت نے حلال و حرام کے جو قوانین دیئے ہیں ان کی خلاف ورزی نہ ہو، دھوکہ، اخسار میزان اور احتکار وغیرہ سے نفع حاصل نہ کیا جائے۔
* خریدار کی شدت احتیاج اور اضطراری کیفیت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے۔
* اجارہ داری کے ذریعے اٹھایا گیا فائدہ اور حاصل کردہ منافع ناجائز ہے۔
* اسلام یہ تصور پیش کرتا ہے کہ آدمی کے جائز نفع حاصل کرنے کی خواہش اور طمع اس قدر نہ بڑھ جائے کہ اس کو حقوق العباد کا بھی خیال نہ رہے بلکہ تھوڑا منافع لے کر مال زیادہ سے زیادہ فروخت کیا جائے۔

سوالات

1- تجارت کی اہمیت پر نوٹ لکھیں۔
2- تجارت کے بنیادی اصول وضوابط بیان کریں۔
3- تجارتی بدعنوانیوں کا سد باب کس طرح کیا جا سکتا ہے۔
4- تجارت میں امداد باہمی کے طریقوں، مضاربت وشراکت پر بالتفصیل نوٹ لکھیں۔
5- مضاربت وشراکت کی تعریفات واقسام پر نوٹ لکھیں۔
6- اسلام میں منافع کا کیا تصور ہے؟ روشنی ڈالیں۔

9

سود

- تعریف ومفہوم
- سود کی اقسام
- سود اور بیع کا فرق
- سود کے نقصانات

سود

لغوی تعریف:

سود کو عربی زبان میں ''ربا'' کہا جاتا ہے اس کا مادہ (ر۔ب۔و) ربو ہے۔ جس کا لغوی معنی ہے: ''کسی چیز کا بڑھنا''۔

اصطلاحی تعریف:

''مال میں وہ زیادتی جو سرمایہ دار اپنے مقروض کو قرض کی ادائیگی کی مہلت دے کر حاصل کرتا ہے ''ربا'' (سود) کہلاتا ہے۔''

یعنی مال میں ہر قسم کی زیادتی کو ربا یا سود نہیں کہا جاتا، بلکہ یہ ''ربا'' مال میں ایک خاص قسم کے اضافے کا نام ہے جو کاروباری دنیا میں بیع وشرائع کی طرح ایک جائز معاملہ سمجھا جاتا تھا اور اسلام نے اسے حرام قرار دے دیا۔

سود کی اقسام:

سود کی مندرجہ ذیل دو بڑی اقسام ہیں:

☆ ربا النسیئة (ادھار) ☆ ربا الفضل

1 ربا النسیئة:

اسے عصر حاضر کی اصطلاح میں ''مہاجنی سود'' کہا جاتا ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے:

''قرض کا وہ معاملہ جس میں ایک مخصوص مدت ادائیگی اور مہلت وتاخیر کے عوض قرض دار پر مال کی زیادتی متعین کر لی جاتی ہے، ''ربا النسیئة'' کہلاتا ہے۔''

دور جاہلیت میں مشرکین عرب میں اس کے مختلف طریقے رائج تھے:

❁ صاحب ضرورت کو نقد روپیہ قرض دیتے اور ایک مدت طے کر کے فی روپیہ کچھ مقدار سود کی لگاتے تھے۔

❁ ایک صورت یہ تھی کہ جب معین مدت ختم ہو جاتی تو سود اور اصل قرض کو ملا کر اپنی اصل رقم قرار دیتے اور پھر اس مجموعہ پر سود شروع کر دیتے، اسی کا نام ''سود در سود'' ہے۔

❁ سود کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ زیور وہتھیار اور اس طرح کی دیگر چیزیں رہن رکھتے اور انہیں قرض کا عوض قرار دیتے۔ اگر معین مدت میں قرض دار قرض ادا نہ کر پاتا تو روپیہ پر سود لگاتے اور اشیاء کی قیمت کم سے کم قرار دے کر انہیں ہڑپ کر جاتے۔

مفسر قرآن امام مجاہد بن جبر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''جاہلیت کا ربا یہ تھا کہ ایک شخص کسی سے قرض لیتا اور کہتا کہ اگر تو مجھے اتنی مہلت دے تو میں اتنا زیادہ دوں گا۔'' [1]

مہاجنی سود کی ان تمام صورتوں کو اللہ تعالیٰ نے ''سورہ آل عمران'' کی آیت 130 میں حرام قرار دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَأۡكُلُواْ ٱلرِّبَوٰٓاْ أَضۡعَٰفٗا مُّضَٰعَفَةٗۖ﴾ (آل عمران:130)

''اے ایمان والو! سود کو بڑھا چڑھا کر مت کھاؤ۔''

مہاجنی سود انسانیت کا قاتل:

جو شخص کسی کو قرض دے کر اس سے سود وصول کرنے کا معاملہ طے کر لیتا ہے، بظاہر اس کے مال میں اضافہ ہو رہا ہوتا ہے، حالانکہ قانون الٰہی ہے:

﴿فَلَا يَرۡبُواْ عِندَ ٱللَّهِۖ﴾ (الروم:39)

''یہ سود اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔''

اس مہاجن کی ''هَلْ مِن مَّزِيدٍ'' کی مجنونانہ خواہش دولت اس سے انسانیت کی اقدار ختم کر دیتی ہے۔ آپ وہ منظر بھی دیکھیے کہ ایک جھونپڑی میں مقیم ایک بیوہ عورت اپنے یتیم اور بے کس بچوں کے ساتھ پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے چند ٹوٹے پھوٹے برتن لے کر اس گھر میں مقیم ہے، وہ اپنی اسی بے بسی اور بے کسی کے عالم میں دیکھتی ہے کہ

[1] ابن جریر، جلد 3، صفحہ 162۔

ایک سپاہی اپنے ہاتھ میں وارنٹ لیے اس کے گھر میں داخل ہو کر اسے مارتے پیٹتے گھر سے بے دخل کر رہا ہے، جبکہ سامنے گاڑی میں بیٹھا ہوا مہاجن ہنس ہنس کر یہ منظر دیکھ رہا ہے، وہ بیوہ ہاتھ جوڑ کر فریاد کر رہی ہے! اللہ ان یتیموں پر رحم کرو! جب یہ ٹوٹا پھوٹا سامان اور جھونپڑی بھی نہیں رہے گی تو ان بے کسوں کا کیا حال ہوگا! تو وہ مہاجن جواب دیتا ہے کہ جس دن شوہر کو قرض لینے بھیجا تھا اس دن خیال نہیں آیا تھا کہ ایک دن دینا بھی پڑے گا۔ مہاجن سپاہی سے کہتا ہے کہ اس کا قرض ایک لاکھ تھا جو بڑھتے بڑھتے پانچ لاکھ ہو گیا ہے آخر وہ وقت آیا کہ اس کی جھونپڑی اور برتن نیلام ہو گئے۔ یہ بیوہ اور اس کے یتیم بچے روتے پیٹتے اس کے گھر سے بے دخل کر دیئے گئے۔"

دیکھیے! سود کا معاملہ کس قدر سنگین اور بھیانک ہے جو ایک مہاجن کو پاگل کتے کی طرح مجنون و مخبوط بنا دیتا ہے۔ دنیا میں تو وہ کسی کا مال دبا کر بہت خوش ہوتا ہے لیکن آخرت میں اس کی کیا حالت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں بیان کرتے ہیں:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ﴾ (البقرہ:275)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) ایسی حالت میں اٹھیں گے جیسے شیطان نے انہیں چھو کر مخبوط الحواس بنا دیا ہے۔"

2 ربا الفضل:

عام الفاظ میں اسے "تجارتی سود" بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد ایسا سودی معاملہ جس میں جنس کا جنس سے تبادلہ کیا جائے اور کوئی شخص اصل مال پر زیادتی کا مطالبہ کرے۔

ایسی صورت میں اگر اجناس کی قسم ایک ہو تو اس کے لیے مندرجہ ذیل دو چیزوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے:

- وہ اجناس وزن اور پیمانے میں برابر ہوں۔
- دوسرا یہ کہ معاملہ ہاتھوں ہاتھ یعنی نقد کیا جائے۔

اگر وزن اور پیمانے میں ایک دوسرے سے متفاضل ہوں یا معاملہ نقد اور ادھار ہو تو یہ ربا الفضل بن جائے گا۔ اس ربا کی ممانعت نبی ﷺ نے ان الفاظ میں فرمائی:

((اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلاً بِمِثْلٍ وَالفِضَّةُ بِالفِضَّةِ مِثْلاً بِمِثْلٍ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ مِثْلاً بِمِثْلٍ وَالبُرُّ بِالبُرِّ مِثْلاً بِمِثْلٍ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ مِثْلاً بِمِثْلٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ ازْدَادَ فَقَدْ اَرْبٰى)) [1]

"سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، کھجور کے بدلے کھجور اور گندم کے بدلے گندم، نمک کے بدلے نمک اور جو کے بدلے جو، پس جو شخص زیادہ دے یا زیادہ کا مطالبہ کرے یقیناً اس نے سود کا معاملہ کیا۔"

ربا الفضل کو "ربا البیوع" بھی کہا جاتا ہے۔

ربٰو اور بیع میں فرق

عصر حاضر میں سود بہت سی شکلوں میں پایا جاتا ہے اور سود کا کاروبار کرنے والے اس حرام کام کو حلال کا لبادہ پہنانے کے لیے سب سے پہلے یہی دلیل دیتے ہیں کہ ہم اس میں اپنا سرمایہ لگاتے ہیں تو ہمیں اس کا منافع ملتا ہے اور یہ بھی تجارت ہی ہے۔ جس طرح آپ تجارت میں پیسہ لگا کر اس میں نفع حاصل کرتے ہیں وہی معاملہ اس کاروبار میں ہے۔ یہ آج کے پڑھے لکھے احمقوں کا جواب ہی نہیں بلکہ اہل جاہلیت نے بھی یہی جواب دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ﴾ (البقرہ:275)

"تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے۔"

بحیثیت مسلمان سود کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہی فرق کافی ہے کہ اللہ نے سود کو حرام اور بیع کو حلال قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ بیع اور سود میں جو فرق ہے وہ درج ذیل ہے:

[1] جامع ترمذی: 1240۔ صحیح مسلم: 1587۔

بیع

بیع کا اطلاق جس معاملے پر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بائع ایک چیز کو فروخت کرنے کے لیے پیش کرتا ہے، وہ چیز بائع نے خود محنت کر کے اور اس پر اپنا مال صرف کر کے پیدا کی ہوتی ہے، یا اپنے مال سے کسی دوسرے سے خرید کر لائی ہوتی ہے، دونوں صورتوں میں وہ اپنے راس المال پر جو اس نے خریدنے یا مہیا کرنے میں صرف کیا تھا، اپنی حق محنت کا اضافہ کرتا ہے اور یہی اس کا "منافع" کہلاتا ہے۔ چنانچہ چیز کی اصل قیمت اور اس کا منافع مل کر چیز کی قیمت قرار پاتی ہے اور بائع و مشتری کے درمیان معاملہ طے ہو جاتا ہے۔

سود

بیع کے مقابلہ میں سود یہ ہے کہ ایک شخص اپنا راس المال ایک دوسرے شخص کو قرض دیتا ہے اور یہ شرط کر لیتا ہے کہ میں اتنی مدت میں اتنی رقم تجھ سے راس المال پر زائد لوں گا۔

اس طرح راس المال کے مقابل راس المال ہے اور مہلت کے مقابلے میں وہ زائد رقم ہے جس کی تعیین بطور شرط پہلے ہی کر لی جاتی ہے۔ اسی زائد رقم کا نام سود یا ربٰو ہے۔ جو کسی خاص مال یا شے کا معاوضہ نہیں ہے بلکہ محض مہلت کا معاوضہ ہوتا ہے۔

سود کے نقصانات

اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو سود روحانی، اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی لحاظ سے بے حد نقصان دہ چیز ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سود کی جملہ اقسام کو حرام کر دیا ہے اور اعلان کر دیا کہ سود اللہ کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ سود کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خرابیاں درج ذیل ہیں:

1 اخلاق حسنہ کا خاتمہ:

سودی کاروبار کی وجہ سے انسان میں محبت، سخاوت، ہمدردی، رحمدلی او دیگر اچھی عادات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور ان کی جگہ خود غرضی، بے رحمی اور بخل جیسی بری عادات سود خور کا خاصہ بن جاتی ہیں۔ سود ایک ایسی لعنت ہے جو سرمایہ دار کے دل میں خود غرضی، نفس پرستی اور

زر پرستی جیسی مذم صفات کو جنم دیتی ہے۔ اسے دن رات اپنی دولت میں اضافہ کی فکر رہتی ہے اس لیے وہ اپنا مال گن گن کر تو رکھے گا، لیکن کسی بھی فلاحی، رفاہی اور اصلاحی کام کے لیے خرچ نہیں کرے گا۔

2 مفت خوری:

کوئی بھی مہاجن یا تجارتی سود کا کاروبار کرنے والا بغیر محنت کے سرمایہ حاصل کرتا ہے اور سود کی وجہ سے سود خور معاشی جدوجہد کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ اسے مفت خوری کی عادت پڑ جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محنت سے اس کا جی چرانے لگتا ہے اور روزی کمانے کے لیے جدوجہد کی بجائے کسی نادار و مفلس کا مال ہتھیانے کی ترکیب سوچتا رہتا ہے۔ بغیر محنت فارغ بیٹھنے کی وجہ سے اس کا دماغ شیطانی آلہ کار بن جاتا ہے اور سود کے ذریعے دولت سمیٹنا اور لوگوں کا معاشی استحصال کرنا اپنا پیشہ بنا لیتا ہے۔

3 امداد باہمی کا فقدان:

حقیقت یہ ہے کہ سودی و غیر سودی معاشرہ دراصل انسانی اور غیر انسانی معاشرے کی طرح ہے۔ انسانی معاشرہ میں باہمی تعاون اور سماجی ہمدردی ہوتی ہے اور سود کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا، جبکہ غیر انسانی معاشرے کی بنیاد خود غرضی، مفاد پرستی، طمع مال، افراط زر اور سود خوری جیسی ملعون چیزوں پر ہوتی ہے اور اس میں امداد باہمی کا کوئی بھی پہلو نہیں پایا جاتا۔

4 مفلسوں کا استحصال:

حافظ ابن القیم کہتے ہیں: سود کھانے والا اپنے مفلس بھائی کو سودی قرض دیتا ہے اور وہ مفلس نادار شخص اس روپیہ کو اپنی ضروریات میں صرف کرتا ہے، جس سے کوئی نفع نہیں ہوتا اور نہ ہی مال زیادہ ہوتا ہے، لیکن یہ سود خور اس سے زائد رقم وصول کرتا ہے، اس طرح وہ اپنے بھائی کا مال باطل طریقے سے کھاتا ہے۔"

5 بین الاقوامی کشمکش:

سود مختلف ممالک کے درمیان بھی نفرت اور عداوت کا سبب بنتا ہے، ہر ملک کوشش کر:

ہے کہ اس کی برآمدات بڑھیں اور درآمدات کم ہوں تاکہ ملک کے اندر کی بے روزگاری، جو سود کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی؛ ختم ہو جائے۔ لیکن معاملہ یہ ہے کہ ہر ملک اس بیماری میں مبتلا ہوتا ہے اس لیے کوئی بھی ملک اس سمت میں واضح کامیابی حاصل نہیں کر پاتا۔

جبکہ بین الاقوامی کشمکش بڑھتی چلی جاتی ہے اور بعض اوقات اس کی شدت جنگ کا روپ دھار لیتی ہے۔

6 معاشرہ کی تباہی:

اسلام کا یہ اصول ہے کہ جو چیز معاشرہ کے لیے مفید ہے، وہ جائز ہے اور جو معاشرہ کے لیے نقصان دہ ہے وہ ناجائز ہے۔ اسی لیے اسلام نے دولت کمانے کے ایسے تمام ذرائع کی ممانعت کی ہے جو معاشرہ کی ترقی کے لیے تباہ کن ثابت ہوتے ہیں۔ تجارت معاشرہ کے لیے فائدہ مند ہے جبکہ ربٰا یا سود میں معاشرے کی تباہی مضمر ہے۔ متعدد قدیم معاشرے سود کی وجہ سے ہی تباہی کا شکار ہوئے اور آج بھی یہ سرمایہ دارانہ نظام معاشروں کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔

7 قرض حسنہ کا خاتمہ:

اسلام صاحب ثروت لوگوں کو یہ ترغیب دیتا ہے کہ وہ حاجت مند اور نادار لوگوں کو قرض حسنہ دیں، تاکہ وہ کوئی باعزت روزگار شروع کر سکیں، جبکہ سود میں یہ معاملہ بالکل ناپید ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنے فوت شدہ عزیز کے لیے کفن و دفن کے اہتمام کے لیے کسی مہاجن کے پاس جائے تو وہ اس پر بھی سود کا مطالبہ کرتا ہے۔ امام رازی کہتے ہیں: ربٰا کی حرمت کی وجہ یہ بھی ہے کہ قرض کے معاملہ میں جو احسان کرنے اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے وہ منقطع ہو جاتا ہے۔

8 بے روزگاری میں اضافہ:

ماہرین معاشیات کے نزدیک بے روزگاری کی سب سے بڑی وجہ سود ہے۔ اس لیے حقیقت پسند ماہرین معاشیات کہتے ہیں:

''اگر آج تمام بند پڑی ہوئی صنعتوں کا جائزہ لیا جائے تو ان کے بند ہونے کی

وجہ یہی نظر آئے گی کہ کارخانے پر سود کا بوجھ مجموعی آمدنی سے زیادہ ہے۔''

اگر شرح سود کو صفر پر لے آئیں تو ہر کارخانہ درست ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس قدر صنعتیں عام ہوں گی اور کارخانے چلیں گے تو روزگار کے مواقع بڑھیں گے اور ہر بے روزگار کو ان صنعتوں میں روزگار ملے گا۔

9 معاشی استحصال:

حقیقت یہ ہے کہ سود معاشی ظلم و استحصال کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اگر ہمارے درمیان رائج نظام معیشت کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ ہماری تجارتی بدعنوانی، اقتصادی بربادی، زراعت کی پامالی، عوام کی مفلسی، امن عامہ کی خرابی، کاشتکاروں کی بدحالی، اور فتنہ وفساد کا اصل سبب سود خوری ہے۔ کسی نقاد نے کیا خوب کہا ہے کہ:

''ساہوکار (مہاجن، سود خور) قرض دار کو اس طرح سہارا دیتا ہے جیسے رسی اس شخص کو سہارا دیتی ہے جس کو پھانسی دی جائے۔''

تاریخ گواہ ہے جب بھی کسی معاشرہ میں سودی کاروبار پھیلا تو مسلمان اقتصادی اور معاشی بدحالی میں مبتلا ہو کر اپنی تمام صلاحتیں کھو بیٹھے۔

اس معاملے میں ہمارے ملک کی مثال سامنے ہے کہ ہمارے پاس بہت نعمتیں ہیں، لیکن اس کے باوجود سودی قرضہ لینے کی وجہ سے ہم دوسروں کی غلامی کرنے پر مجبور ہیں۔

10 سرمایہ کی کارکردگی پر منفی اثرات:

سود کی وجہ سے سرمایہ کی کارکردگی محدود ہو جاتی ہے، تعمیری عمل اتنا نہیں پھیل سکتا جتنا کہ قدرتی وسعت کے اعتبار سے پھیلنا چاہیے۔ کوئی ماہر اقتصادیات ایسا نہیں جس نے شرح سود اور سرمائے کی صلاحیت کار کے منفی تعلق کو تسلیم نہ کیا ہو۔ اس منفی اثر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بہت سے قدرتی وسائل کی تسخیر رک جاتی ہے اور سرمایہ کی کارکرگی پر منفی اثرات اپنا خوب اثر دکھاتے ہیں۔ [1]

[1] مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر منور حسین کی کتاب اسلام اور جدید سیاسی نظریات، صفحہ 350، 367۔

سوالات

1- سود کی لغوی و اصطلاحی تعریف کریں نیز سود کی اقسام پر نوٹ لکھیں۔

2- دورِ جاہلیت میں سود کے مختلف طریقوں پر روشنی ڈالیں۔

3- سود اور بیع میں فرق واضح کریں۔

4- سود کے نقصانات تفصیل سے لکھیں۔

10

اسلامی بینکاری وانشورنس

- معانی ومفہوم
- اسلامی بینک کاری کے خدوخال
- انشورنس کی افادیت
- اسلام میں انشورنس کا حکم
- اسلام میں بیمہ (انشورنس) اور تکافل کا حکم اور طریقۂ کار
- اسلام میں انشورنس کا متبادل

اسلامی بینکاری

''بینک وہ ادارہ ہے جو لوگوں کی زائد رقوم بطور امانت اپنے پاس رکھتا ہے پھر ان رقوم سے مختلف لوگوں کو قرضے دیتا ہے، لوگ ان قرض سے اپنا کاروبار کرتے ہیں اور ضروریات زندگی کی اشیاء بھی خریدتے ہیں۔''

بینک کی غیر اسلامی صورت:

بینک کی غیر اسلامی صورت یہ ہے کہ وہ ان قرضوں کے عوض سود وصول کرتا ہے جس کی وجہ سے سارا نظام (System) سود کے ساتھ آلودہ ہو جاتا ہے۔

بینک کی ضرورت و اہمیت:

بینک کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''دراصل (Banking) بھی موجودہ تہذیب کی پرورش کی ہوئی بہت سی چیزوں کی طرح ایک ایسی بہت ہی اہم چیز ہے، جسے صرف ایک شیطانی عنصر کی شمولیت نے پراگندہ کر رکھا ہے۔ اول تو وہ بھی ایسی جائز خدمات سرانجام دیتا ہے جو موجودہ زمانے کے تمدنی زندگی اور کاروباری ضروریات کے لیے مفید بھی ہیں اور ناگزیر بھی، مثلاً: رقوم کا ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنا، حکومتی ملازمین کی تنخواہوں کا انتظام کرنا، بیرونی ممالک سے لین دین کی سہولتیں بہم پہنچانا، قیمتی اشیاء کی حفاظت کرنا، اعتماد نامے، سفری چیک، کمپنیوں کے حصص کی خرید و فروخت کرنا، ڈرافٹ نامے جاری کرنا اور بہت سی وکیلانہ خدمات، جنہیں تھوڑے سے کمیشن پر بینک کے سپرد کر کے آج ایک مصروف آدمی بہت سی پریشانیوں سے خلاصی پالیتا ہے۔ یہ وہ کام ہیں جنہیں بہرحال جاری رہنا چاہیے اور ان کے لیے ایک مستقل ادارے کا ہونا ضروری ہے اور یہ وہی ادارہ ہے جسے بینک کہا جاتا ہے۔ [1]

[1] معاشیات اسلام، صفحہ 239۔

اسلامی بینکاری کے خدوخال

موجودہ دور میں بینک کا قیام انتہائی ضروری ہے، لیکن سود ایک ایسا عنصر ہے جس نے اس ادارے کے تمام نظام کو غیر شرعی بنا دیا ہے۔ اگر یہ عنصر ختم کر کے شرعی تقاضوں کے مطابق بینکاری کی جائے تو اسے ہم ''اسلامی بینکاری'' کہہ سکتے ہیں جو کہ بہت ہی خوش آئند چیز ہے۔ اسلامی بینکاری کا جامع خاکہ درج ذیل ہے۔

* اسلامی بینک کا قیام:

سرمایہ دار لوگوں کے سرمایہ یا حکومتی بجٹ کے زائد مال سے بینک کا قیام عمل میں لایا جائے، پھر اس جمع شدہ مال سے اصول مضاربت پر رقوم دی جائیں اور سرمایہ کے مطابق نفع و نقصان کی شرح مقرر کی جائے، اس سے قرضہ جات بھی دیئے جائیں لیکن کسی بھی معاملے پر سود کا اطلاق نہ ہو۔ اسلامی بینکاری کا نظام رائج کرنے کے لیے درج ذیل امور کا ہونا ضروری ہے۔

- معاشرہ اسلامی ہو، حکومت قرآن و سنت کے مطابق کام کر رہی ہو اور اس کے ماتحت سودی لین دین قابل تعزیر جرم ہو۔
- حکومت پختہ عزم، اسلامی جذبہ اور نیک نیتی سے اس نظام کو چلانے کی کوشش کرے۔
- جدید ماہرین معاشیات اور علمائے دین کی خدمات لی جائیں۔
- ضرورت مند صارفین کے لیے اجتماعی کفالت کا معقول انتظام ہو۔
- ملکی معیشت کو مکمل طور پر اسلامی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔

* اسلامی بینک اکاؤنٹس:

اسلامی بنیادوں پر کھولے جانے والے بینک میں درج ذیل تین اکاؤنٹ قائم کیے جائیں۔

1 سیونگ اکاؤنٹ:

''یہ اکاؤنٹ عام طور پر ان لوگوں کے لیے ہوتا ہے جو تجارت پر روپیہ نہیں

لگاتے بلکہ اپنی بچت کو جمع کرنے کے لیے بینک میں اکاؤنٹ کھلواتے ہیں۔"

بینک اس روپیہ کو اپنے پاس جمع کر لے اور ضرورت پڑنے پر کھاتہ دار کو اس کے مطابق رقم ادا کرے۔

یہ کھاتہ رکھنے والے بینک کی کارپوریشن کے نفع ونقصان کے ذمہ دار نہیں ہوں گے، اور بینک ان کی پوری رقم کی ادائیگی کا پابند ہوگا۔

2 کرنٹ اکاؤنٹ:

"اس اکاؤنٹ میں بھی لوگ جب چاہیں اپنی رقم جمع کروا سکتے ہیں اور جب چاہے نکلوا سکتے ہیں۔"

اس میں روپیہ رکھنے اور نکالنے کی کوئی قید نہیں اور یہ بھی بینک کے نفع ونقصان کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

3 سرمایہ کاری اکاؤنٹ:

اس اکاؤنٹ میں کھاتہ دار مقررہ مدت کے لیے اپنی رقوم بینک کے کاروبار کے لیے جمع کرواتے ہیں۔ یہ کھاتہ دار بینک کے پاس اس کاروبار کے نفع ونقصان میں شریک ہوں گے جو مضاربت وغیرہ کے شرعی اصولوں کے مطابق ان کے سرمایہ کے اشتراک سے کیا ہوگا۔

* معاوضہ خدمات:

بینک جو خدمات، فیس یا کمیشن کے عوض سرانجام دیتے ہیں وہ اسی طرح جاری رہیں، مثلاً امانتیں رکھنا، لاکرز مہیا کرنا، دستاویزات، کاغذات، اسناد، زیورات، اور دوسری چیزوں کی حفاظت کرنا، اسی طرح سفری چیک اور کریڈٹ کارڈز وغیرہ جاری کرنا، ان سہولیات کے عوض بینک اپنی خدمات کا معاوضہ لے سکتا ہے۔

* غیر سودی قرضہ جات کا اجراء:

ہنرمند افراد کی بحالی کے لیے بینک بلاسود قرضے جاری کرے تا کہ معاشرے کے ہنرمند افراد اسے استعمال میں لا کر اپنی زندگی کو بحال کر سکیں۔

* زکوٰۃ کی وصولی:

بینک اپنے کھاتہ داروں سے سالانہ زکوٰۃ کی وصولی کرے، پھر حکومتی مشاورت سے اس رقم کو قرآن وسنت میں بیان کردہ مصارف پر استعمال کرے۔

* قرض کھاتہ:

بینک ضرورت مند افراد کو قرضہ فراہم کرتا ہے، اس کے لیے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ایک قرض کھاتہ کھولا جائے جس میں لوگ اپنا زائد مال، روپیہ جمع کروائیں۔ اس پر انہیں سود نہیں ملے گا، لیکن اس کھاتہ سے چونکہ لوگوں کو بلاسود قرضے فراہم کیے جائیں گے اس لیے اس کھاتہ میں اپنا روپیہ جمع کروانے والے عند اللہ ماجور ہوں گے۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ قرض دینے کے لیے رقوم جمع کروانے والوں کو انکم ٹیکس میں کچھ رعایت دے تا کہ وہ شوق و رغبت کے ساتھ اس کھاتہ میں اپنی رقوم جمع کروائیں۔

* اصول مضاربت پر سرمایہ کاری:

اسلامی بینک اپنے پاس جمع ہونے والے سرمایہ کو مضاربت کے اصول پر کاروبار کرنے والے لوگوں یا اداروں کو دے، تا کہ نفع ونقصان میں سرمایوں کے مطابق شرح مقرر کی جائے۔

انشورنس

لغوی تعریف:

"انشورنس کے لیے اردو زبان میں لفظ بیمہ، جبکہ عربی زبان میں تامین کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ ان تینوں الفاظ (انشورنس، بیمہ، تامین) کا اطلاق "یقین دہانی" کے معنی پر ہوتا ہے۔"

اصطلاحی تعریف:

"بیمہ کاروبار کا ایک ایسا طریقہ کار ہے جس میں بیمہ کی پالیسی خریدنے والے کو اس کے مستقبل کے خطرات کے تحفظ اور غیر متوقع نقصانات کی تلافی کی ضمانت

دی جاتی ہے۔"

"چونکہ کمپنی بیمہ کرانے والے کو مستقبل کے بعض خطرات سے حفاظت اور بعض نقصانات سے یقین دہانی کراتی ہے اس لیے اسے انشورنس کمپنی کہتے ہیں۔"

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق: "انشورنس کا سادہ ترین اور عام فہم تصور ایسی امانت ہے جو لوگوں کا ایک ایسے گروہ ہے جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی خطرہ میں ہوتا ہے جس کے اثرات قبل از وقوع نہیں جانچے جا سکتے۔ ایسا خطرہ جب کبھی واقع ہو گا وہ اس سارے گروہ پر تقسیم کر دیا جائے گا۔"❶

افادیت انشورنس

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اپنی کتاب "انشورنس اسلامی معیشت میں" میں رقمطراز ہیں:

"انشورنس ایک بنیادی انسانی ضرورت ہے۔ یہ بات ان تمام حادثات اور مالی عواقب کے بارے میں درست ہے جن سے آدمی دوچار ہو سکتا ہے۔ اچانک موت، معذوری، بے روزگاری، آتشزدگی، سیلاب، ژالہ باری، اور نقل و حمل سے متعلق حادثات نیز ان کے نتیجہ میں واقع ہونے والے مالی نقصان کسی مخصوص اختیاری عمل اور پیشے وغیرہ پر مبنی نہیں۔ ان کے نتیجے میں اکثر اوقات متاثر ہونے والے خاندان حقیقی محتاجی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کے نتیجے میں افراد کی وہ معاشی کارکردگی متاثر ہوتی ہے جس کا انحصار مال اور املاک پر ہے۔ یہ حقیقت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ زندگی کے ایک بڑے دائرے میں انشورنس کو ایک بنیادی ضرورت کا درجہ دیا جائے۔"❷

---

❶ اسلام اور جدید اقتصادی نظریات، صفحہ 393۔

❷ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت۔

اسلام میں انشورنس کا حکم

بیمہ پالیسی یا انشورنس کے ذریعہ بیمہ کروانے والا جو اصل رقم چند سالوں میں جمع کرواتا ہے اسے سود کے ساتھ واپس کیا جاتا ہے اور اس سود کو "بونس" کا نام دیا جاتا ہے۔

بلاشبہ موجودہ دور میں انشورنس کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور ساری دنیا میں اس کا طریقہ رائج ہے۔ دنیا کے تمام ممالک میں انسان کی زندگی، اولاد، بچوں کی تعلیم، شادی، جسم کے اعضاء اور گاڑیوں تک کی انشورنس ہوتی ہے۔ لیکن اس دلیل سے کوئی حرام چیز حلال نہیں ہو سکتی۔ بینک کا ذریعہ غلط اور حرام ہے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ دنیا میں جو ہو رہا ہے وہ سب حلال ہے، یا اسے اس بناء پر حلال ہونا چاہیے کہ اس کا دنیا میں عام رواج ہے اور لوگوں کے لیے بڑی فائدہ مند ہے۔ گویا کہ انشورنس انسان کے لیے نافع چیز ہے لیکن ایک مسلمان قوم ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم جائز اور ناجائز معاملات میں فرق کریں اور اپنے معاملات جائز اور حلال طریقوں پر چلائیں۔

علمائے اسلام نے چند ایک قباحتوں کی بناء پر اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں انشورنس اور بیمہ کے مروجہ طریقوں کو ناجائز اور حرام ٹھہرایا ہے۔

ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک:

انشورنس کے بارے میں شرعِ اسلامی کی رو سے تین اصولی اعتراضات ہیں، جن کی بنا پر اسے جائز نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

* انشورنس کمپنیاں جو روپیہ پریمیئر کی شکل میں وصول کرتی ہیں، اس کے بہت بڑے حصہ کو سودی کاموں میں لگا کر فائدہ اٹھاتی ہیں اور اس ناجائز کاروبار میں وہ لوگ خود بخود حصہ دار بن جاتے ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں اپنے آپ کو یا اپنی کسی چیز کو ان کے پاس انشور کراتے ہیں۔
* اس کی قباحت یہ ہے کہ موت، حادثات یا نقصان کی صورت میں رقم دینے کی جو ذمہ

داری یہ کمپنیاں اٹھاتی ہیں اس میں قمار (جوئے) کا اصول پایا جاتا ہے۔

- آدمی کے مر جانے کی صورت جو رقم ادا کی جاتی ہے، اسلام کی رو سے اس کی حیثیت مرنے والے کے ترکہ کی ہے جسے شرعی وارثوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ مگر یہ رقم ترکہ کی حیثیت سے تقسیم نہیں کی جاتی بلکہ اس شخص یا اشخاص کو مل جاتی ہے جن کے لیے پالیسی ہولڈر نے وصیت کی ہو۔[1]

مفتی محمد شفیع کے نزدیک:

اللہ تعالیٰ نے بیع و تجارت کو حلال اور اس کے مقابل سود کو حرام قرار دیا ہے۔ بیع یا تجارت ایک مشترک کاروبار میں نفع و نقصان کی منصفانہ تقسیم کا نام ہے اور ربٰو اس زیادتی کا نام ہے جو تجارتی نقصان سے قطع نظر کر کے اپنی رقم کی معیاد معین کے معاوضہ میں کی جائے، خواہ کاروبار میں کتنا ہی نفع و نقصان ہو۔ ظاہر ہے کہ بیمہ کی تمام صورتوں میں جو منافع یا بونس دیا جاتا ہے وہ بیع یا تجارت کے اصول پر نہیں بلکہ ربٰو کے طور پر دیا جاتا ہے۔[2]

ان فتاوئ جات کے علاوہ بیمہ میں ہوسِ زر، غصب، دھوکہ، اسراف و تبذیر اور سرمایہ کاروں کو مزید ترقی دینے جیسے قبائح پائے جاتے ہیں جن کی بناء پر یہ کاروبار ''اندھا سود'' کہلوانے کا حقدار ہے۔

اسلام میں بیمہ اور تکافل کا حکم اور طریق کار

جو علماء حضرات مروجہ بیمہ پالیسی کو حرام اور ناجائز کہتے ہیں ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیمہ یا انشورنس کا تصور بذاتہ حرام نہیں ہے، ہاں اس کی موجودہ شکل و صورت اور طریقہ کار اسے غیر شرعی بنا دیتا ہے۔ اسلام بیمہ، انشورنس یا تکافل اجتماعی کا ایک عمدہ ترین نظام پیش کرتا ہے، اگر اسے اپنا لیا جائے تو سودی انشورنس کی ضرورت نہیں رہے گی اور نہ ہی

---

[1] معاشیات اسلام، صفحہ 333۔

[2] بیمہ زندگی از مفتی محمد شفیع، صفحہ 34۔ اسلام اور جدید اقتصادی نظریات، صفحہ 400۔

مشکل وقت میں محتاجی و مفلسی کا سامنا کرے پڑے گا۔

اسلام میں تکافل کا طریقہ کار

اسلام میں بیمہ اور تکافل اجتماعی کا ایک ایسا ڈھانچہ موجود ہے جس پر عمل کرنے سے معاشرہ غربت کے منجھدار سے نکل سکتا ہے وہ طریقہ اور نظام درج ذیل ہے:

① زکوٰۃ ② انفاق فی سبیل اللہ ③ صدقہ فطر

❶ زکوٰۃ:

نادار لوگوں کی خدمت اور کفالت عامہ کے لیے اسلام نے زکوٰۃ فنڈ رائج کیا ہے اور حدیث وضاحت کرتی ہے کہ اتفاقی حادثات کی زد میں آ کر اگر کسی کا مال ختم ہو جائے مثلاً: کسی کا مال آگ کی نذر ہو گیا یا کسی کا مال سیلاب کی وجہ سے برباد ہو گیا تو اجتماعی فنڈ سے اس کی معاونت کی جائے۔

علامہ ڈاکٹر محمد یوسف قرضاوی لکھتے ہیں: ''زکوٰۃ کا یہ مصرف حوادث کے سلسلہ میں اجتماعی بیمہ (Social Insurance) کی حیثیت رکھتا ہے۔ انشورنس کے جدید طریقے رائج ہونے سے پہلے اسلام نے انشورنس کا یہ طریقہ رائج کیا تھا۔ اسلام کا رائج کردہ انشورنس کا یہ طریقہ جو نظام زکوٰۃ کی شکل میں ہے دور حاضر کے انشورنس کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اکمل، فائق تر اور جامع ہے۔''[1]

پروفیسر رفیع اللہ شہاب کہتے ہیں:

> ''نظام زکوٰۃ کے قائم ہو جانے کے بعد موجودہ سودی بیمہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی، کیونکہ بیمہ کا نظام جو ضمانت چند گنے چنے لوگوں کو ان کے بھاری پریمئر کے عوض مہیا کرتا ہے زکوٰۃ کا نظام وہی ضمامت سارے افراد مملکت کو بلا معاوضہ مہیا کرتا ہے۔''[2]

---

[1] ترجمہ فقہ الزکوٰۃ، صفحہ 370۔

[2] اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام، صفحہ 87۔

2 انفاق فی سبیل اللہ:

اسلام نے زکوٰۃ کے علاوہ بھی امراء کو تلقین کی ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اللہ کے رستے میں خرچ کریں۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّکَاۃِ)) [1]

”بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔“

صحابہ کرام کی زندگیوں سے ایسے متعدد واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنی دولت غرباء کے لیے وقف کر دی تھی۔

3 صدقہ فطر:

صدقہ فطر بھی تکافل اجتماعی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ جس میں ناداروں کو خوشیوں میں شریک کرنے کے لیے صدقہ فطر کو مشروع کیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی اسلام کے اعلیٰ ترین نظام میں بہت سی ایسی چیزیں مشروع کی گئی ہیں جو بیمہ یا تکافل کی حیثیت رکھتی ہیں، مثلاً قربانی، فدیہ، وراثت، ہبہ، کفارہ، اور وصیت جیسے معاملات جو کسی نہ کسی صورت میں کسی محتاج و نادار شخص کی کفالت اور نامساعد حالات میں انشورنس کی حیثیت رکھتی ہیں۔ [2]

اسلام میں بیمہ کا متبادل

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیمہ اگر حرام ہے تو کیا اسلام اس کا کوئی متبادل پیش کرتا ہے؟ جی ہاں! ضرور۔ گزشتہ سطور میں آپ نے اسلام میں بیمہ اور تکافل اجتماعی کا جو طریقہ پڑھا ہے وہ اسلام میں مروجہ انشورنس کا متبادل ہے۔ یہ طریقہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی منصوبہ بندی اور پلاننگ ہے جو کہ دنیا کی تمام تدابیر پر غالب ہے۔ اس کے علاوہ مروجہ انشورنس میں اگر کچھ تبدیلیاں کر دی جائیں تو اسے بھی اسلامی اصولوں پر ڈھالا جا سکتا ہے۔

---

[1] جامع ترمذی: 660۔

[2] تفاصیل کے لیے دیکھئے اسلام اور جدید اقتصادی نظریات، صفحہ 409 تا 412۔

اس بارے سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اس بیمہ کو دائرہ جواز میں لانے کے لیے کم از کم جو کچھ کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ:

- حکومت کو اس امر پر راضی کیا جائے کہ وہ کمپنی کا زرِ ضمانت اپنے کسی سرکاری یا نیم سرکاری، صنعتی یا تجارتی کام میں حصہ داری کے اصول پر لگا دے اور کمپنی کو اس کا متعین نہیں بلکہ مناسب حصہ دے۔
- کمپنی اپنے دوسرے سرمایہ کو بھی ایسے منافع بخش کاموں پر لگائے جس میں سود کی بجائے اسے متناسب منافع حاصل ہو۔
- زندگی کا بیمہ صرف انہی لوگوں کا قبول کیا جائے جو دو باتوں کو تسلیم کریں۔

① ان کی موت کے بعد صرف ان کی جمع شدہ رقم اور جائز منافع ہی وارثوں کو دیا جائے۔

② شرعی قاعدے کے مطابق تمام وارثوں میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم ہوگی۔

- بیمہ کروانے والے جو لوگ اپنی رقوم پر اضافہ چاہتے ہوں تو ان کا روپیہ ان کی رضا کے مطابق مضاربت کے اصولوں پر تجارتی کاموں میں لگایا جائے۔

یہ چار اصلاحات اگر آپ نافذ کر دیں تو اس سے صرف یہی فائدہ حاصل نہیں ہوگا کہ اس سے انشورنس کمپنی کا کاروبار پاک ہو جائے گا بلکہ اس سے ملک میں انشورنس کی اصلاح چاہنے والوں کو عام طور پر بڑی مفید رہنمائی ملے گی۔ [1]

---

[1] معاشیات اسلام، صفحہ 335، 336۔

سوالات

1- بینک کی تعریف کرتے ہوئے بینک کی غیر اسلامی صورت بیان کریں نیز بینک کی ضرورت واہمیت پر نوٹ لکھیں۔
2- اسلامی بینک اکاؤنٹس پر نوٹ لکھیں۔
3- انشورنس کی لغوی واصطلاحی تعریف کرتے ہوئے اس کی افادیت پر نوٹ لکھیں۔
4- اسلام میں انشورنس کا حکم بالتفصیل بیان کریں۔
5- اسلام میں تکافل کا طریق کار بیان کیجیے۔
6- اسلام میں انشورنس کا متبادل بیان کریں۔

11

زمین کی تقسیم وملکیت

- زمین کی تقسیم
- جاگیریں بانٹنا
- زمین کی ملکیت
- مزارعت
- خراج
- معدنی اراضی

زمین کی ملکیت و تقسیم

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ زمین کی حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور اس کی تمام اشیاء، اہلِ زمین کی ضروریات کے لیے بنائی ہیں، اس لیے اس زمین کو بندوں میں ہی تقسیم کیا گیا ہے۔ اسلام نے اپنے معاشی نظام میں زمین کی انفرادی تقسیم و ملکیت کو اعتدال اور توازن کی حدود میں رہتے ہوئے تسلیم کیا ہے۔ کیوں کہ اس میں اعتدال و توازن کا فقدان راہ فساد کھولتا ہے۔

زمین کی تقسیم و ملکیت اور اس سے متعلقہ ذرائع آمدن کی تفاصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

* زمین کی تقسیم   * جاگیریں بانٹنا   * زمین کی ملکیت
* مزارعت   * خراج   * معدنی اراضی

* تقسیم زمین:

زمین چونکہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اس لیے اس کی تقسیم بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہی فرمائی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ نسل در نسل اپنے آباؤ اجداد سے زمین کے وارث بنتے چلے آ رہے ہیں، کسی کے پاس زمین زیادہ ہے تو کسی کے پاس کم۔

زمین کی تقسیم کے لیے مندرجہ ذیل دو طریقے ہیں:

* ایک تو یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے مال اور سرمایہ کو خرچ کر کے زمین کا مالک بنتا ہے اور پھر اس میں میراث واقع ہو جاتی ہے۔ عمومی طور پر دنیا میں زمین کی تقسیم کا یہی طریقہ رائج ہے۔
* دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام یا حاکم کسی بھی مملکت کی ملکیت میں پڑی ہوئی زمین بطور

جاگیر دے دے تو اس میں بھی اصول میراث پر تقسیم ہو جاتی ہے۔

* جاگیریں بانٹنا:

عربی زبان میں جاگیریں بانٹنے کے لیے لفظ ''اِقْطاع'' بولا جاتا ہے۔ اسی سے امام داؤد نے اپنی سنن میں یہ بات باندھا ہے۔ ''باب فی اقطاع الارضین '' ''زمینوں کو بطور جاگیر بانٹنا''

اس میں انہوں نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ سیدنا وائل بن حجر بیان کرتے ہیں:

((اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَقْطَعَهُ اَرْضًا بِحَضْرَمَوْتَ))[1]

''نبی ﷺ نے انہیں حضر موت میں ایک زمین بطور جاگیر عطا فرمائی۔''

اسی کے پیش نظر امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ وغیرہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام جسے چاہے زمین بطور جاگیر دے سکتا ہے۔''[2]

یعنی اسلام یہ چاہتا ہے کہ جو زمینیں بے کار پڑی ہیں انہیں آباد کر کے وسائل معیشت میں اضافہ کیا جائے اور نادار، مستحق اور محنتی لوگوں کی دادرسی کی جائے، لہٰذا اسلام میں جاگیریں بانٹنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب عمل ہے۔

* ملکیت زمین:

اشتراکیت اور اس جیسے دیگر خود ساختہ معاشی نظاموں میں نجی ملکیت کا تصور نہیں ہے، بلکہ زمین اور ذرائع پیداوار سب حکومت کی ملکیت میں ہوتا ہے، یعنی ان نظریات میں انسان سرکاری مشینری کا ایک پرزہ بن کر رہ جاتا ہے جو دو وقت کی روٹی کے لیے حکومت کا محتاج ہو جاتا ہے۔ ان تمام غیر فطری نظاموں کے برعکس اسلام نے زمین کی ملکیت کا تصور پیش کیا ہے اور زمینوں میں حق ملکیت کو ثابت کیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

[1] ابوداؤد: 3058، ترمذی: 1381۔
[2] جامع ترمذی، البیوع، ماجاء فی القطاع، تحت حدیث: 1380۔

﴿ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾ (الانبیاء:105)

"بے شک زمین کے وارث میرے نیک بندے بنیں گے۔"

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ اَحْيَا اَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ)) ❶

"جس نے کسی بنجر زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ہے۔"

اس حدیث میں بھی نبی ﷺ نے حق ملکیت کو ثابت کیا ہے اور اسی طرح سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا كَانَتْ لِاَحَدِكُمْ اَرْضٌ فَلْيَمْنَحْهَا اَخَاهُ اَوْ لِيَزْرَعْهَا)) ❷

"جب تم میں سے کسی آدمی کے پاس زمین ہو تو وہ عطیۃً اپنے بھائی کو دے دے یا خود اس میں کاشت کاری کرے۔"

اس حدیث میں بھی زمین کے حق ملکیت کو ثابت کیا گیا ہے اس کے علاوہ اسلام کا حق شفعہ بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ زمین، گھر یا جائیداد میں ملکیت ثابت ہوتی ہے۔

❄ مزارعت:

زمین کی تقسیم وملکیت کے حوالے سے فقہاء مزارعت سے بھی بحث کرتے ہیں، مزارعت یہ ہے کہ ایک آدمی کی زمین ہو اور دوسرے کی محنت اور پیداوار میں وہ اپنے حصص مقرر کر لیں۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے باب 7 "اسلام اور زراعت صفحہ 103"

❄ خراج:

خراج کی تفاصیل جاننے کے لیے باب 2 "اسلامی نظام معیشت، صفحہ 56" کا مطالعہ کیجیے۔

❄ معدنی اراضی:

"زمین کی معدنیات ظاہری ہوں تو ہم اسے "زرعی زمین" کہتے ہیں، اگر زمین کی پیداوار زمین کے اندر چھپی ہوئی ہوں تو انہیں ہم "معدنیات" کا نام

❶ سنن ابی داؤد: 3073۔ ❷ جامع ترمذی: 1384۔

دیتے ہیں۔"

معدنیات زمین کے اندر اور پہاڑوں میں زمین کے ذرات یا پتھر کے اجزاء کی صورت میں مستور ہوتی ہیں۔ جنہیں حاصل کرنے اور ان کے اجزاء کو صاف کرنے میں کافی محنت اور سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے معدنی اراضی یا کانیں حکومت یا خلافت کی ملکیت میں ہوں تا کہ مفاد عامہ کے لیے ان معدنیات کو استعمال میں لایا جا سکے۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک نمک کی کان بطور جاگیر مانگی، نبی ﷺ نے اسے دے دی، جب وہ آدمی واپس ہوا تو ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کی: ((اَتَدْرِيْ مَا قَطَعْتَ لَهُ)) "آپ جانتے ہیں کہ آپ نے اسے کیا جاگیری دی ہے؟"

اِنَّمَا قَطَعْتَ لَهُ الْمَاءَ الْعِدَّ.

"آپ نے اسے ہمیشہ جاری رہنے والا خزانہ دیا ہے۔"

یعنی آپ نے اسے معدنی اراضی بطور جاگیر دی ہے تو راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس سے وہ واپس لے لی۔ ❶

جبکہ معادن ظاہرہ والی اراضی کسی عام آدمی کو بھی جاگیر دی جا سکتی ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے بلال بن حارث مزنی کو مدینہ طیبہ اور ینبوع کے درمیان واقع علاقہ قبلیہ کی معادن تھیں۔ ❷

❶ جامع ترمذی: 1380۔ ابو داؤد: 3064۔
❷ سنن ابی داؤد: 3063۔

سوالات

1- زمین کی تقسیم ملکیت کے بارے آپ کیا جانتے ہیں؟
2- مزازعت اور خراج پر نوٹ لکھیں؟
3- معدنی اراضی جاگیریں بانٹنے کے بارے اسلامی احکام بیان کریں؟

12

محنت واجرت

- محنت واجرت کے بارے میں اسلامی تعلیمات
- اجیر ومستاجر کے حقوق
- اسلام میں مزدور تنظیموں کا تصور

محنت و اجرت

معیشت کی گاڑی کو چلانے کے لیے محنت اور سرمایہ ایسی چیزیں ہیں جو اس گاڑی کے لیے پہیوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر بڑے بڑے سرمایہ داروں کے پاس محنت کرنے والے لوگ نہ ہوں تو ان کا سرمایہ کسی کام کا نہیں۔ اکیسویں صدی کی مہذب دنیا ابھی تک محنت کش طبقہ کو وہ عزت و شرف نہیں دے سکی جو آج سے چودہ سو برس پہلے اسلام نے عطا کی تھی۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں دماغی محنت کرنے والے کو تو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، لیکن جسمانی محنت کرنے والے کو کوئی حیثیت نہیں دی جاتی۔ جبکہ اسلام ہر پیشے، ہنر اور مزدوری کو مستحسن نظروں سے دیکھتا ہے، بشرطیکہ شریعت کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق حلال و حرام کا خیال رکھتے ہوئے اور شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے پیشہ اختیار کیا جائے۔ کوئی بھی پیشہ انسان کو ذلیل نہیں کرتا، بلکہ انسان خود پیشے کو ذلیل کرتا ہے۔ اسلام ہر اس محنت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو اخلاقی حدود کے اندر اور اجرت و منفعت کے اعتبار سے آزاد ہو۔

عربی زبان میں روزی کمانے کے لیے محنت مزدوری کرنے پر ''کسب'' کا لفظ بولا جاتا ہے جس کا مطلب ہے ''ہاتھ سے کمانا''، لیکن کمائی کرنے والے کا یہ عقیدہ ہو کہ میرا یہ پیشہ یا ذریعہ معاش صرف ایک وسیلہ ہے جبکہ یہ رزق حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔ اسلام نے محنت و مزدوری کرنے کی بہت حوصلہ افزائی کی ہے اور قرآن و حدیث میں اس کی بہت ترغیب بیان ہوئی ہے۔

محنت و اجرت کے بارے میں اسلامی تعلیمات

قرآن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دن کی روشنی انسان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے پیدا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝﴾ (النباء: 12)

''اور ہم نے دن کو ذریعہ معاش بنایا۔''

اور زمین پر بسنے والی چیزیں مثلاً چوپائے اور جانور وغیرہ بھی انسان کی خوراک کے لیے ہی پیدا فرمائے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۝ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۝ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝﴾ (یس: 71 تا 73)

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان چیزوں میں سے جنہیں ہمارے ہاتھوں نے بنایا، ان کے لیے مویشی پیدا کیے، پھر وہ ان کے مالک ہیں اور ہم نے انہیں ان کے تابع کر دیا، چنانچہ ان میں سے کچھ ان کی سواری ہیں اور ان میں سے بعض کو وہ کھاتے ہیں اور ان میں ان کے لیے کئی فائدے اور پینے کی چیزیں ہیں تو کیا وہ شکر نہیں کرتے؟''

محنت قرآن کی روشنی میں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ یہ کائنات اور اس کی اشیاء انسان کے لیے ہیں، لیکن ساتھ ہی فرما دیا کہ انسان اپنی محنت کے مطابق ہی لیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝﴾ (النجم: 39)

''اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔''

اس لیے ہر شخص کو چاہیے وہ اپنی گزر بسر کے لیے محنت و مزدوری کرتا رہے اور ہمت ہار کر نہ بیٹھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ (القصص: 77)

''اور دنیا سے اپنا حصہ مت بھول۔''

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسانوں کی روزیاں بکھیر دی ہیں اور اپنی بے پناہ نعمتیں اس میں ودیعت فرما دی ہیں اور اعلان کر دیا ہے:

﴿ وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ﴾ (فصلت: 10)

''اور اس میں اس کی غذائیں اندازے کے ساتھ رکھیں، چار دن میں اس حال میں کہ سوال کرنے والوں کے لیے برابر (جواب) ہے۔''

اس کی تفسیر میں امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اقواتھا سے روزیاں مراد ہیں۔''

اسی طرح یہ بھی بتلایا ہے کہ انبیاء نے بھی اجرت پر کام کر کے حلال روزی حاصل کی جیسا کہ شیخ کبیر کی بیٹی نے اپنے والد سے موسیٰ علیہ السلام کے بارے کہا تھا:

﴿ يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴾ (القصص:26)

''اے ابا جان! اسے اجرت پر رکھ لیجیے، کیونکہ سب سے بہتر شخص جسے آپ اجرت پر رکھیں طاقتور، امین ہے۔''

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ روزی کی تلاش کے لیے نکل جانے کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ (الجمعة:10)

''پھر جب نماز پوری کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل سے حصہ تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ فلاح پاؤ۔''

اسی طرح ایک جگہ رزق کی تلاش کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ ﴾ (العنکبوت:17)

''اللہ تعالیٰ کے ہاں رزق تلاش کرو۔''

محنت حدیث کی روشنی میں:

محنت کی عظمت پر دلالت کرنے والی بہت سی احادیث ملتی ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

''نبی ﷺ سے ایک دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا تھا، اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرائی تھیں۔ بلکہ ہر نبی نے ہی بکریاں چرائی ہیں۔'' ❶

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی گزر بسر کے لیے محنت و اجرت سے کام لیا۔ ذیل میں ہم نبی ﷺ کی چند احادیث ذکر کرتے ہیں جس سے محنت و اجرت کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَلَدُ الرَّجُلِ مِنْ كَسْبِهِ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِهِ فَكُلُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ)) ❷

''آدمی کی اولاد اس کی کمائی ہے اور بہت عمدہ کمائی ہے چنانچہ ان کے اموال سے کھا سکتے ہو۔''

- سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ أَحْبُلًا فَيَأْخُذَ حُزْمَةً مِنْ حَطَبٍ فَيَبِيعَ فَيَكُفَّ اللَّهُ بِهِ وَجْهَهُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ أُعْطِيَ أَمْ مُنِعَ)) ❸

''تم میں سے ایک شخص رسیاں پکڑے، پھر لکڑیوں کا گٹھا لائے، اسے بیچے، اس کے نتیجے میں اللہ اس کے چہرے کو بچائے، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگے، اسے دیا جائے یا روک دیا جائے۔''

- سیدنا مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ)) ❹

''کسی شخص نے کبھی کوئی کھانا ایسا نہیں کھایا جو اس کے ہاتھ کی کمائی سے بہتر ہو،

---

❶ صحیح بخاری: 2262۔ ❷ ابو داؤد: 3529۔
❸ بخاری: 2373۔ ❹ بخاری: 2072۔

اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔"

مزدور تنظیموں کا اسلام میں تصور

ایک وقت تھا جب مزدور کو مظلوم تصور کیا جاتا تھا۔ وہ کمزور اور ضرورت مند ہوتا تھا، لہٰذا اس کا استحصال کیا جاتا اور اس بناء پر سرمایہ دار کو ظالم سمجھا جاتا تھا۔ مگر انقلاب روس کے بعد صورتحال بدل گئی، مزدوروں نے عالمی سطح پر منظم ہونا شروع کیا اور ایک چھوٹے سے کاروباری یونٹ سے لے کر بڑے کارخانہ تک اپنی مزدور تنظیمیں و انجمنیں تشکیل دے دیں اور اس اجتماع کے بل بوتے پر انہوں نے سرمایہ داروں یعنی کارخانہ داروں اور مل مالکوں کو ناکوں چنے چبوائے اور بعض اوقات ان کے کروڑوں کے کاروبار کو پیوند خاک کر کے بھی دکھایا جو کہ پرانے مظالم کا شاخسانہ تھا۔

دوسری طرف ردعمل کے طور پر سرمایہ داروں نے بھی اپنی انجمنیں تشکیل دیں اور معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ مزدور اپنی یونین کے ذریعے اپنے مطالبات منوانے کے لیے ہڑتال کرتے ہیں تو کارخانہ دار تالہ بندی (Lock Out) کا حربہ استعمال کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں مصنوعی قلت کا دور دورہ ہوتا ہے اور قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں۔ یوں دو منہ زور گھوڑوں کی مستیوں کی سزا ان غریب صارفین کو ملتی ہے جو نہ بے جا ہڑتال کا منصوبہ بناتے ہیں اور نہ ہی ظالمانہ تالہ بندی (Lock Out) کا اعلان کرتے ہیں۔

اس غیر مناسب صورتحال کا مناسب علاج کرنے، محنت و سرمایہ کا حل اور آجر و اجیر کے تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے انسانی بستی کے داناؤں، جن میں ماہرین معاشیات اور حکمران بھی شامل ہوتے ہیں، نے مل کر کئی بار بہترین دماغی صلاحیتوں کو کھپا کر کوشش کی ہے۔ اس طرح عالمی سطح پر بھی اس تنازع کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے کوشش کی گئی، جس کی واضح صورت اقوام متحدہ کی زیر نگرانی عالمی ادارہ محنت (International Labour Organization) کا قیام عمل میں آیا ہے۔ جس کے تیار کردہ قوانین محنت اس وقت دنیا کے تمام ممالک میں نہ

صرف رائج ہیں بلکہ انہیں قانونی درجہ بھی حاصل ہے۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کے مصداق ان تمام کوششوں نے محنت اور سرمایہ کے تنازعات کو مزید الجھنوں میں ڈال دیا، اور اس آمیزش کی آگ مزید تیز ہوگئی۔ اس کی اصل وجہ چارہ گر کی وہ نادانی ہے جو دل کے درد کا علاج پنڈلی پر پٹی باندھ کر کرنا چاہتا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے محنت واجرت کا قانون وضع کیا اور آجر و مزدور کے تعلقات کو محبت، انسانی ہمدردی اور مساوات پر استوار کیا۔ اس لیے آج بھی اسلام محنت و سرمایہ کے تنازعہ کا حل اخوت اور بھائی چارہ کی بنیاد پر کرتا ہے۔ سرمایہ دار اور مزدور کے تنازع کی اصل وجہ خود غرضی اور جذبہ خیر خواہی کا نہ ہونا ہے۔ سرمایہ دار چاہتا ہے کہ مزدور سے زیادہ سے زیادہ کام لے کر زیادہ سے زیادہ نفع کو یقینی بنائے، جبکہ مزدور چاہتا ہے کہ وہ کام چوری کرے لیکن اجرت زیادہ سے زیادہ ملے۔ اس لیے اسلام نے سب سے پہلے اجیر و مستاجر کے حقوق بیان فرمائے تاکہ ہر کسی کو اپنی راہ کا تعین ملے اور ایسے تنازعات اس معاملے میں سامنے نہ آئیں۔

جہاں تک مزدور کی وکالت اور دادرسی کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے حقوق کا معاشی قتل دیکھتے ہوئے فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ، وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَهُ)) ❶

"تین آدمیوں کے خلاف مقدمہ میں خود لڑوں گا: ایک وہ آدمی جس نے میرے نام کے ساتھ عہد کرنے کے بعد دھوکا دیا، دوسرا وہ آدمی جس نے کسی آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور (تیسرا) وہ آدمی جس نے کوئی مزدور رکھا، اس

❶ بخاری، کتاب الاجارۃ، 2270۔

سے کام پورا لے کر اسے اجرت نہ دی۔"

تو دیکھیے ایسے مزدور کی حمایت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ خود مدعی بن رہے ہیں، جسے اس کی محنت کا معاوضہ نہ دیا گیا ہو۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہر مزدور کو یاد ہے:

((أُعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهُ قَبْلَ اَنْ يَجُفَّ عَرَقُهُ)) ❶

"مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔"

نیز اسلام نے مزدور کی اجرت کی تعین کے بارے واضح کیا کہ مزدور کی اجرت اتنی ہونی چاہیے جس سے اس کی ضروریات بآسانی پوری ہوسکیں، اور اسلام میں یہ اشارات بھی ملتے ہیں کہ اگر کسی مزدور کو یہ محسوس ہو کہ اس پر زیادتی ہو رہی ہے تو وہ اپنا مقدمہ حاکم کے سامنے پیش کر سکتا ہے اور حاکم حالات و واقعات کے مطابق بہتر فیصلہ کرے جیسا کہ عہد فاروقی میں مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولولو فیروز نے اپنا مقدمہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا تھا۔

اسلام نے یہ بھی متعین کیا ہے کہ ہر ایک اپنی اپنی ذمہ داریوں کو نبھائے، تاکہ Unions اور تنظیمیں بنانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج کے دور میں اجیر ومستاجر دونوں اپنی اپنی جگہ چور بن گئے ہیں۔ اجیر اجرت پوری وصول کرتا ہے لیکن کام نیک نیتی سے نہیں کرتا، جبکہ مزدوروں کی تنظیموں کا مقصد اور اتحاد ہی اس بات پر ہوتا ہے کہ کام تو کم سے کم کیا جائے اور مالک سے معاوضہ زیادہ وصول کیا جائے۔

اسلام میں تو مزدور تنظیموں کا یہی تصور ہے کہ اگر مزدور یونین کا مقصد اپنی محنت کے مقابلہ میں جائز حد تک اپنے حقوق کا مطالبہ کرے تو جائز اور بالکل درست ہے۔ اگر یونین کا مقصد چوری اور سینہ زوری ہو، تاکہ اس سے اتحاد اور ہڑتالوں کے ذریعے مالک کو اس بات پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ اس کا معاوضہ بڑھا دے اور انہیں ملازمت سے بھی جواب نہ دے سکے، تو ایسی یونین سازی کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا اور ایسا اتحاد نیکی کی بجائے بدی پر اتحاد سمجھا جائے گا۔ لیکن اس کا مستقل حل یہی ہے کہ ان قوانین کو اپنایا جائے جو اسلام نے

❶ ابن ماجه، كتاب الرهون: 2445۔

متعین کیے ہیں، یعنی مسائل کے حل کا زیادہ تر انحصار اخلاقیات اور قوانین اسلام کی پاسداری پر رکھا ہے۔ اسلام قانون کا سہارا صرف اس وقت لیتا ہے جب: "لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔"

اخلاق کی پاکیزگی اور عمدگی کے لیے تقویٰ کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی تعلیمات کو عام کر کے اور لوگوں کو ان کا پابند کر کے ان میں تقویٰ کا وصف پیدا کیا جائے جو ہر طرح کے دنیوی اور اخروی مسائل کا واحد حل ہے۔

اجیر ومستاجر کے حقوق

تعریف اجیر:

"وہ مزدور جس سے کام لیا جائے "اجیر" کہلاتا ہے۔"

اجیر (مزدور) کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں:

① اجیر مشترک ② اجیر خاص

❶ اجیر مشترک:

"وہ شخص جو اپنا مستقل فنی کاروبار کرتا ہو اور ہر شخص اس کام کے سلسلے میں اس سے خدمت لیتا ہو "اجیر مشترک" کہلاتا ہے۔" مثلاً درزی، لوہار، بڑھئی وغیرہ۔

❷ اجیر خاص:

وہ مزدور جو کسی ایک فرد کے لیے مخصوص ہو "اجیر خاص" کہلاتا ہے۔

حقوقِ اجیر:

اسلام نے مزدور کے حقوق نہ صرف متعین کیے ہیں بلکہ ان کی حفاظت کا اہتمام بھی کیا ہے۔ اسلام نے اجیر کو مندرجہ ذیل حقوق دیئے ہیں:

* مستاجر اجیر کو اپنا بھائی ہی سمجھے، نہ کہ زرخرید غلام۔
* مزدور کو کام پر لگانے سے پہلے اس کی تنخواہ مقرر کر دی جائے۔

- مزدوری لینے کے بعد بلا تاخیر اس کی اجرت ادا کر دی جائے۔
- مزدور کی مزدوری کھانا یا اسے اجرت نہ دینا کبیرہ گناہ ہے۔
- مزدور کی طاقت سے زیادہ اس سے کام نہ لیا جائے۔
- دوران کام مزدور کے ساتھ بااخلاق طریقے سے پیش آیا جائے۔

تعریف مستاجر:

''وہ شخص جو کسی سے اجرت پر کام لے رہا ہو اسے ''مستاجر'' یا آجر کہا جاتا ہے۔''

حقوق مستاجر:

اسلام نے مزدور کے ذمہ بھی مستاجر کے کچھ حقوق عائد کیے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں۔ ان کی ادائیگی کے بعد ہی مزدور معاوضہ کا حقدار ہوتا ہے۔

- ☆ مزدور جو کام کر رہا ہو وہ اس کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہو۔
- ☆ مستاجر کا کام اخلاص، لگن اور ذمہ داری سے پورا کیا جائے۔
- ☆ کام انتہائی امانت و دیانت سے سرانجام دیا جائے۔
- ☆ کارخانہ یا فیکٹری کی طرف سے بنائے گئے قوانین پر پابندی کی جائے۔
- ☆ مزدور مستاجر کے جس کام کی ذمہ داری اٹھائے اسے اپنے وعدہ کے مطابق پورا کرے۔
- ☆ ایک مستاجر کے ساتھ طے کیے گئے وقت میں کسی دوسرے مستاجر کا کام نہ کیا جائے۔ [1]

سوالات

1- محنت و اجرت کے بارے میں اسلامی تعلیمات بیان کیجئے۔

2- اسلام میں مزدور تنظیموں کا کیا تصور ہے؟

3- اجیر و مستاجر کے حقوق و فرائض پر روشنی ڈالیں۔

4- محنت اور اجرت قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کریں؟

---

[1] تفصیل کے لیے ڈاکٹر منور حسین چیمہ کی کتاب اسلام اور جدید اقتصادی نظریات، دیکھیے صفحہ 540 تا 550۔

13

جدید اقتصادیات اور پاکستان

- اقتصادی امور میں اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں
- اسلام اور نیا اقتصادی نظام
- پاکستان کے مالیاتی نظام کا تنقیدی جائزہ
- پاکستان کے معاشی وسائل اور ان کا حل
- عالم اسلام کے مابین اقتصادی تعاون

اقتصادی امور میں اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ کسی بھی اقتصادی نظام اور اقتصادی امور میں حکومت کو بہت اہمیت حاصل ہوتی ہے اور جب یہ حکومت اسلامی حکومت ہو تو اس کی ذمہ داریاں اور بڑھ جاتی ہیں۔حکومت ہر اتار چڑھاؤ اور ہر کمی و بیشی کو درست کر سکتی ہے۔

اقتصادی امور میں اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں ایک بہت ہی زیادہ اہمیت کا حامل مضمون ہے، کیونکہ جب تک حکومت اپنی اقتصادی ذمہ داریوں کو نہیں نبھائے گی، ایک صالح معاشی نظام قائم نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اقتصادی امور میں اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں درج ذیل ہیں:

1 حکومتی اخراجات پر کنٹرول:

حکومت کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے اخراجات پر کنٹرول کرے۔ بلاوجہ اور بے جا حکومتی دوروں، غیر ضروری پروٹوکولز اور اپنی بھاری تنخواہوں اور الاؤنس میں کمی لائے اور اس معاملے میں رسول کریم ﷺ کی سادہ اور عاجزانہ زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنائے، جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"تین تین مہینے گزر جاتے ہماری گزر بسر صرف پانی اور کھجور پر ہوتی تھی۔"[1]

لہٰذا حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ سادگی کو رواج دے۔

2 وسائل سے بھرپور استفادہ:

اللہ تعالیٰ نے اسلامی ممالک کو بے پناہ قدرتی وسائل سے نوازا ہے۔ جس میں معدنی تیل، گیس اور لوہا نمایاں ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ ان وسائل قدرت سے بھرپور استفادہ کرے تاکہ ملکی معیشت کا پہیہ چلتا رہے اور مسائل کے مقابلہ میں وسائل زیادہ سے زیادہ ہوں۔

---

[1] الصحیح للبخاری: 2567.

3 شرعی بیت المال کا قیام:

ناداروں، مسکینوں اور مستحق لوگوں کے لیے شرعی بیت المال کا قیام عمل میں لایا جائے اور ان لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے اسی بیت المال سے منصوبہ جات شروع کیے جائیں، تاکہ ملک سے ایسے نادار افراد کو ایسا روزگار مہیا کیا جا سکے جس سے انہیں معاشی خود کفالت حاصل ہو۔

4 پرائس کنٹرول سسٹم:

اسلامی حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اشیاء کے نرخوں پر مکمل نظر رکھے اور پرائس کنٹرول نظام (Price Control System) لے کر آئے، تاکہ بڑے بڑے سرمایہ دار اور جاگیردار اپنی من مانی نہ کرتے پھریں اور عوام کو زیادہ سے زیادہ معاشی تحفظ ملے اور یقیناً وہی حکومت کامیاب ہوتی ہے جو اپنی عوام کے حق میں بہتر ہو۔ (قیمتوں کے کنٹرول کے حوالے سے بحث تسعیر کے مسئلہ میں گزر چکی ہے۔)

5 سود کا خاتمہ:

اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے کہ سود مال میں کمی لاتا ہے، اس لیے اسلامی حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اقتصادی نظام سے سود جیسے ناسور کا خاتمہ کرے اور اس کے متبادل اسلامی تکافل، زکوٰۃ اور صدقات نافلہ کا نظام رائج کرے، تاکہ معاشرے سے غریب اور نادار افراد کا خاتمہ ہو، جس طرح سے خیر القرون میں تھا کہ زکوٰہ دینے والا زکوٰۃ کا مال لے کر نکلتا لیکن اسے لینے والا نظر نہیں آتا تھا۔

6 مصائب کا خاتمہ:

اسلامی حکومتیں اس وقت تعلیم، غربت، بے روزگاری اور مہنگائی جیسے مصائب کا شکار ہے۔ بیرونی مداخلت نے ان مسائل میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔ آبادی میں اضافہ کے باعث غربت کی شرع بڑھ رہی ہے، جس کی وجہ سے اقتصادی لحاظ سے اسلامی حکومتیں کمزوری کی طرف جا رہی ہیں۔ لہٰذا اسلامی حکومت کو چاہیے کہ ایسے حالات میں سنجیدگی سے فیصلہ

کرے اور ان مسائل پر قابو پانے کے لیے اقدامات کرے۔

7 کرپشن کا خاتمہ:

کرپشن کسی بھی حکومت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے اور افسوس صد افسوس کہ ہمارے اسلامی ممالک میں بھی یہ ناسور اپنی جڑیں مضبوط کر چکا ہے۔ اسی لیے آج غیر مسلم حکومتیں مسلمانوں پر اقتصادی لحاظ سے تسلط جمائے ہوئے ہیں، لہٰذا اپنے آپ کو اسلامی حکومت کہلوانے والی حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی اقتصادیات کو مضبوط کرنے کے لیے کرپشن سے چھٹکارا حاصل کرے اور کرپٹ ملازمین کے لیے سخت سے سخت قوانین نافذ کرے۔

اسلام اور نیا اقتصادی نظام

جدید دور میں سرمایہ دارنہ اور اشتراکی نظام نے بے پناہ دولت سے حکومتوں کے خزانے تو بھر دیئے ہیں، لیکن انسان کو حقیقی امن و خوشحالی مہیا کرنے میں قطعی طور پر ناکام ہو چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان ان دونوں نظریات سے بے زار نظر آ رہا ہے۔ اسے ایک ایسے مثالی نظام کی تلاش ہے جو اسے اقتصادی خوشحالی کے ساتھ ذہنی سکون بھی دے سکے۔ بانی پاکستان محمد علی جناح نے آج سے تقریباً 70 برس قبل یکم جولائی 1948 کو بینک دولت پاکستان کے افتتاح کے موقع پر فرمایا تھا:

''مغرب کے معاشی نظام نے بنی نوع انسان کے لیے ایسے مسائل پیدا کر دیئے ہیں جو کسی طرح حل نہیں ہونے میں آ رہے، دنیا اس وقت جس تباہی سے دوچار ہے اس سے کوئی معجزہ ہی بچا سکتا ہے۔ یہ نظام انسان اور انسان کے درمیان انصاف کرنے اور بین الاقوامی چپقلش کو رفع کرنے میں ناکام رہا ہے، بلکہ یہی نظام پچھلی نصف صدی میں دو عالمگیر جنگوں کا بڑی حد تک ذمہ دار ہے۔''

مغربی دنیا جو مشینوں اور صنعتی صلاحیتوں کی مالک ہے۔ اپنی بعض خوبیوں کے باوجود اس وقت جس ابتر حالت میں ہے، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ لہٰذا ہمارے لیے اپنی

عوام کو خوشحال اور فارغ البال بنانے کے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے مغرب کے اقتصادی نظام کے نظری و عملی طریقہ کو اختیار کرنا بے سود ہوگا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم ایک نئی راہ عمل اختیار کریں۔ اور دنیا کے سامنے ایک ایسا اقتصادی نظام پیش کریں جو انسانی اخوت اور سماجی انصاف کے اصولوں اور صحیح اسلامی نظریات پر مبنی ہو۔ اسلام کے اقتصادی نظام ہی کے ذریعے دنیا کو امن وسکون میسر ہو سکتا ہے۔

علامہ اقبال کا رد اشتراکیت:

بعض کم فہم لوگوں نے شاعر مشرق علامہ اقبال کی نظم ''پیام مشرق'' سے یہ غلط نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آپ اشتراکیت سے متاثر ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ماہنامہ ''انقلاب'' کے مدیر شمس الدین نے ڈاکٹر علامہ اقبال کو اشتراکیت کا مبلغ اعلیٰ کہہ دیا۔

چنانچہ علامہ اقبال نے روزنامہ زمیندار 24 جون 1923ء کی اشاعت میں ایک خط شائع کروایا، جس میں انہوں نے انسان کے معاشی مسئلہ کے بارے میں موقف بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے لکھا کہ:

''میں نے ایک دوست سے سنا ہے کہ ایک صاحب نے اخبار میں میری طرف اشتراکی خیالات منسوب کیے ہیں، چونکہ اشتراکی خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے مترادف ہے، اس لیے اس تحریر کی تردید میرا فرض ہے۔ میں مسلمان ہوں، میرا عقیدہ دلائل و براہین پر مبنی ہے کہ انسانی جماعتوں کے اقتصادی امراض کا بہترین علاج قرآن نے تجویز کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب سرمایہ داری قوت حد اعتدال سے تجاوز کر جائے تو دنیا کے لیے ایک قسم کی لعنت ہے۔ لیکن دنیا کو اس کے مضر اثرات سے بچانے اور نجات دلانے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ معاشی نظام سے اس قوت کو خارج کر دیا جائے، جیسا کہ اشتراکی مفکرین تجویز کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھنے کے لیے زکوٰۃ، قانون میراث اور قانون وصیت وغیرہ کا

نظام تجویز کیا ہے اور فطرت انسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی طریقہ قابل عمل بھی ہے۔ روسی اشتراکیت یورپ کی عاقبت نااندیش اور خودغرض سرمایہ داری کے خلاف ایک زبردست ردعمل کی تحریک ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی سرمایہ داری اور روسی اشتراکیت دونوں افراط وتفریط کا نتیجہ ہیں، اعتدال کی راہ وہی ہے جو ہمیں قرآن نے بتلائی ہے۔ شریعت اسلامیہ کا مقصود یہ ہے کہ سرمایہ داری کی بناء پر ایک جماعت دوسری جماعت کو مغلوب نہ کر سکے، اور اس مدعا کے حصول کے لیے میرے عقیدے کی رو سے وہی راہ آسان اور قابل قبول ہے جس کا انکشاف شارع علیہ السلام نے کیا ہے۔ اسلام سرمایہ کی قوت کو معاشی نظام سے خارج نہیں کرتا بلکہ فطرت انسانی پر ایک عمیق نظر ڈالتے ہوئے اسے قائم رکھتا ہے اور ہمارے لیے ایک ایسا معاشی نظام تجویز کرتا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے یہ قوت کبھی اپنی مناسب حدود سے متجاوز نہیں ہو سکتی۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اسلام کے اقتصادی پہلو کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ اس خاص اعتبار سے بھی اسلام کتنی بڑی نعمت ہے۔''

انہوں نے مزید لکھا:

''خود روسی قوم بھی اپنے موجودہ نظام کے نقائص معلوم کر کے کسی ایسے نظام کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو جائے گی، جس کے اصولِ اساسی یا تو خالص اسلامی ہوں گے یا ان سے ملتے جلتے ہوں گے، موجودہ صورت میں روسیوں کا اقتصادی نصب العین خواہ کیسا ہی محدود کیوں نہ ہو ان کے طریق عمل سے کسی مسلمان کو ہمدردی نہیں ہو سکتی۔''

اس تحریر کے آخر میں علامہ اقبال نے مسلم دانشوروں اور مزدوروں کو دعوت دی کہ:

''وہ اسلام کی اقتصادی تعلیم کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کریں۔ ہندوستان اور دیگر ممالک کے مسلمان جو یورپ کی سیاسی اقتصادیات کو پڑھ کر

مغربی خیالات سے فوراً متاثر ہو جاتے ہیں، ان کے لیے لازم ہے کہ اس زمانے میں قرآن کریم کی اقتصادی تعلیم پر نظر غائر ڈالیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی تمام تر مشکلات کا حل اس کتاب میں پائیں گے۔''❶

اگر اسلام اور جدید اقتصادی نظاموں (سرمایہ داری و اشتراکیت) کا تقابل کیا جائے تو اسلام کا نظام اقتصاد ہر لحاظ سے ارفع و اعلیٰ اور انسانی ضروریات کو پورا کرنے والا نظر آتا ہے۔

پاکستان کے مالیاتی نظام کا تنقیدی جائزہ

تنقید اگر اصلاح کے لیے ہو تو محمود ہوتی ہے۔ پاکستان کے مالیاتی نظام میں بہت سی جگہوں پر بے ضابطگیاں پائی جاتی ہیں، جو ملک کے مالیاتی نظام کو کمزوری کی طرف لے جا رہی ہیں۔ مالیاتی سلسلے میں پاکستان میں محاصل کے لیے جو قوانین نافذ ہیں ان میں چند ایک قابل ذکر ہیں۔

- زرعی پیداوی ٹیکس — Agricultural Tax (1940)
- سنٹرل ایکسائز وسالٹ ایکٹ — Central Excis Salt Act
- سیلز ٹیکس — Sales Tax (1950)
- ہبہ ٹیکس (1953)
- قدرتی گیس آرڈیننس — Natural Gas Ordinance (1966)
- درآمد سامان ایکٹ — Import luxghries Act (1967)
- کسٹم ایکٹ — Custom Tax(Act) (1969)
- انکم ٹیکس آرڈیننس — Income Tax Ordinance
- زکوٰۃ وعشر آرڈیننس — Zakaat-o-Ushar Ordinence

یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ معدنی وسائل اور (Taxes) ٹیکسز کسی بھی

❶ اسلام اور جدید اقتصادی نظریات، بحوالہ ماہنامہ ضیائے حرم، نومبر 1977، صفحہ 653 تا 656۔

ملک کی آمدنی کا سب سے اہم ذریعہ ہوتے ہیں، جس سے حکومت اپنے اخراجات پورا کرنے کے ساتھ ساتھ عوام کی فلاح و بہبود پر بھی رقوم خرچ کرتی ہے۔ لیکن جب ان محاصل کا غلط استعمال کیا جانے لگے اور مالیاتی نظام میں خرد برد ہونے لگے تو ملک کی معیشت (Economy) تباہ ہو جاتی ہے۔ ہمارے ملک کا المیہ بھی یہی ہے کہ عوامی دولت کے محافظ اسی عوامی سرمائے کو لوٹنے کا فریضہ سرانجام دینے لگتے ہیں۔ آنے والا ہر حکمران پچھلے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود ترقی پذیر (پسماندہ) ممالک میں شامل ہوتا ہے۔

سطور ذیل میں ہم پاکستان کے مالیاتی نظام کے محاصل کا تنقیدی انداز سے جائزہ لیتے ہیں تاکہ اصلاح ہو سکے اور خامیوں کو دور کیا جا سکے۔

1 ٹیکس دہندگان سے ظالمانہ سلوک:

پاکستان میں ٹیکس دہندگان سے انتہائی ظالمانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں ٹیکس دہندگان کو جو مراعات و حقوق حاصل ہیں، وہ اپنی جگہ اس کے ساتھ ساتھ جس انداز سے حکومتیں ٹیکس وصول کرتی ہیں وہ بھی قابل ستائش ہے۔ لیکن ہمارے ملک کے مختلف ادارے جس بے دردی سے ٹیکس وصول کرتے ہیں، وہ انتہائی دردناک اور تکلیف دہ ہے۔ اس کا اندازہ آپ بینکوں کے سامنے لگی ہوئی ان لمبی قطاروں کو دیکھ کر لگا سکتے ہیں۔ جو حکومت کو ٹیکس دینے کے لیے چلچلاتی دھوپ میں کھڑے ہو کر بجلی، ٹیلی فون، گیس اور پانی وغیرہ کے بل جمع کرواتے ہیں اور یہ طریقہ دنیا کے کسی بھی ترقی یافتہ ملک میں نہیں ہے اسی طرح قومی جرمانے جمع کروانے کے لیے بھی گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔

2 ٹیکس چوری:

پاکستان کے مالیاتی نظام میں بہت بڑی کمزوری ٹیکسوں کی چوری ہے۔ جس قدر بڑا سیاستدان ہوگا وہ اسی قدر بڑا ٹیکس چور ہوگا اور المیہ یہ ہے کہ ٹیکس صرف چھوٹے طبقے کے کاروباری لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے، جبکہ بڑے بڑے سرمایہ دار لوگ چند پیسوں کا ٹیکس

ادا کرتے ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ یہ سارا کام کرنے میں سرکاری سرپرستی حاصل ہوتی ہے دراصل یہ ساری خرابی کمزور سسٹم کی وجہ سے ہے۔ یہاں ایک افسر کی تنخواہ اتنی ہوتی ہے کہ وہ اس سے اپنی گاڑی کا خرچ بمشکل پورا کر سکتا ہے، جبکہ اس کے پاس اختیارات اتنے ہوتے ہیں کہ وہ ایک قلم کی حرکت سے کروڑوں روپے ادھر ادھر کر سکتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق واجب الاداء ٹیکسوں کا 80٪ ملکی خزانے میں نہیں آتا بلکہ سرکاری اداروں سے وابستہ ورکرز اس روپیہ کو خرد برد کر جاتے ہیں۔

2 ٹیکس وصولی کی غلط بنیاد:

ہمارے ملک کا بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ ٹیکس کی وصولی کے لیے اعداد و شمار کرنے والے عمال آم کھانے کی بجائے پیڑ گننے لگ جاتے ہیں۔ یعنی کسی کاروبار کے حجم کو بنیاد بنا کر ٹیکس عائد کرنے کی بجائے آمدنی و اخراجات اور اثاثہ جات کی تفصیلات کی جانچ پڑتال کرنا شروع کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ کرپشن اور سرکاری خزانے کی آمدنی کی کمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ اس طرف توجہ دے اور ٹیکسوں کی صحیح وصولیابی کے لیے صرف کاروباری آمدن کو بنیاد بنایا جائے۔

3 بالواسطہ ٹیکسوں کی بھرمار:

ملک کے زیادہ تر ٹیکس بالواسطہ انداز میں لگائے جاتے ہیں۔ یعنی عوام پر ان کے علم میں لائے بغیر ٹیکسوں کا بوجھ لاد دیا جاتا ہے۔ سیلز ٹیکس اور تفریحی ٹیکس وغیرہ یہی خصوصیت رکھتے ہیں۔ عوام کے علم میں لائے بغیر ان سے ٹیکس وصول کرنا بداعتمادی اور دھوکے کی ایک صورت ہے۔ عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ تعیشات کی اشیاء پر سیلز ٹیکس لگایا جائے تو اس کا اثر امیروں پر پڑتا ہے، غریب عوام اس سے متاثر نہیں ہوتے۔ لیکن عملی طور پر دیکھا جائے تو اس سے عام آدمی کی زندگی ضرور متاثر ہوتی ہے، مثلاً: کسی بھی صنعت یا کارخانے پر کوئی ٹیکس لگایا جاتا ہے تو وہ صنعت اس ٹیکس کو اپنی مصنوعات پر ڈال دیتی ہے اور عام صارف کو وہ چیز مہنگے داموں خریدنی پڑتی ہے اس طرح وہ ٹیکس کارخانہ دار پر نہیں لگا بلکہ اس کا سارا بوجھ عام صارف پر ہی پڑا۔

4 ایک چیز پر متعدد ٹیکس:

اسلامی ممالک کے مالیاتی نظام کے کمزور ہونے کی ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ایک ہی چیز پر متعدد ٹیکس لگا کر ایک عام آدمی کی زندگی مشکل بنا دی جاتی ہے۔ مثلاً: ایک ملازم کی تنخواہ ہی لے لیجیے کہ جب وہ بینک سے اپنی 50 ہزار تنخواہ وصول کرتا ہے تو بینک تنخواہ دینے سے پہلے انکم ٹیکس کاٹ لیتا ہے، اب اسی ایک ٹیکس کو ہی کافی نہیں سمجھا جاتا، چنانچہ جب وہ روزمرہ کی اشیائے ضروریہ خریدنے جاتا ہے تو اس سے 26٪ تک ٹیکس لیا جاتا ہے۔ مہینے کے آخر میں بجلی، گیس، ٹیلی فون، پانی اور دیگر یوٹیلیٹی بلز میں 20٪ سے 26٪ تک ٹیکس گورنمنٹ کو ادا کیے جاتے ہیں۔ دیکھیے محدود سی آمدن کا حکومت کے خزانے میں کس قدر بھاری ٹیکس جاتا ہے جو کہ لامحالہ عوام پر زیادتی ہوتی ہے، پھر عوام ان ٹیکسوں سے بچنے کے لیے وہ طریقہ اپناتی ہے جو کسی بھی ملک کے مالیاتی نظام کے لیے سازگار نہیں ہے۔

5 ناقص معاشی منصوبہ بندی:

قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک ملکی معیشت کی ترقی کے لیے کوئی موثر مالیاتی پالیسی نہیں بنائی جا سکی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جب ایک حکومت اپنی پالیسی بناتی ہے تو دو چار سال بعد نئی حکومت ان پالیسیوں کو سرد خانے میں ڈال دیتی ہے اور اپنی پالیسیاں بناتی ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ حکومتیں چاہے جتنی بدلیں لیکن ملکی معیشت کی پالیسیوں میں تبدیلیاں نہیں آنی چاہییں۔ افسوس صد افسوس کہ ہر مالیاتی پالیسی سیاست کی نظر ہو جاتی ہے جب سیاسی جماعتیں اپنے مفادات کو ترجیح دیتی ہیں تو وہ ملکی استحکام کی بجائے اپنی اجارہ داری قائم کرنا چاہتی ہیں۔ ناقص منصوبہ بندی کی وجہ سے ملک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔

6 سیاسی قرضوں کی عدمِ وصولی:

پاکستان کے مالیاتی نظام کا بہت بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ سیاستدان سیاسی بنیاد پر بہت بھاری قرضے لیتے ہیں اور جب ان کی جماعت برسرِاقتدار آتی ہے تو وہ قرضے انہیں معاف کر دیئے جاتے ہیں، جو کہ ملکی معیشت کے لیے بہت بڑا دھچکا ہوتا ہے۔ پچھلے چند سالوں میں

اربوں ڈالرز قرضے سیاسی بنیادوں پر معاف کیے گئے اور سارا روپیہ غیر ملکی بینکوں میں جمع کیا گیا۔

7 وزارتوں کی بندر بانٹ:

جس قدر وزارتیں پاکستان کے تنظیمی ڈھانچہ میں ہیں۔ شاید دنیا کے کسی ملک میں نہیں اور پھر وزارتوں کی تقسیم کے لیے ایسے وزیر کا انتخاب کیا جاتا ہے جس کا متعلقہ محکمہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جس نے کبھی سائنس پڑھی ہی نہ ہو اسے سائنس اور ٹیکنالوجی کا وزیر بنا دیا جاتا ہے اور جس نے ساری زندگی میں ایک بیج بھی نہ بویا ہو وہ وزیر زراعت بن جاتا ہے جب تک متعلقہ محکموں میں اس شعبہ میں مہارت رکھنے والے وزراء، تعینات نہیں کیے جائیں گے، مالیاتی نظام مضبوط نہیں ہوگا۔

پاکستان کے معاشی مسائل اور ان کا حل

پاکستان کا شمار دنیا کے ترقی پذیر ممالک میں ہوتا ہے۔ پاکستان کو آزاد ہوئے 70 سال ہو چکے ہیں، لیکن ابھی تک پاکستان معاشی استحکام حاصل نہیں کر سکا۔ پاکستان کسی بھی لحاظ سے خود کفیل نہیں۔ پاکستان کو لاتعداد معاشی مسائل کا سامنا ہے۔ ان معاشی مسائل میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے اور ان کے حل کے لیے تجاویز بھی پیش کی جاتی ہیں۔

1 بے روزگاری:

پاکستان کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے لیکن وسائل میں اضافہ بہت سست روی کا شکار ہے، جس کے نتیجے میں بے روزگار افراد کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ پاکستان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی بے روزگار ہیں۔ بے روزگاری کی وجہ سے لوگوں کا تعلیم کی طرف رجحان بھی کم ہو رہا ہے۔ معمولی سی ملازمت کے حصول کے لیے در بدر کے دھکے کھانے پڑتے ہیں۔

❀ حکومت پاکستان کو چاہیے کہ وہ ملک سے بے روزگاری کے خاتمے کے لیے

ضروری اقدامات کرے۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔ پاکستان چونکہ ایک زرعی ملک ہے۔ اس لیے زراعت وصنعت کو ترقی دی جائے تاکہ روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع میسر آسکیں۔

2 درآمدات میں اضافہ:

کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی پیدا کردہ اشیاء دوسرے ممالک کو برآمد کر کے زیادہ سے زیادہ زرمبادلہ حاصل کرے، جو معیشت کے استحکام میں مدد دیتا ہے۔ پاکستان میں اس وقت درآمدات کی شرح بہ نسبت برآمدات کے بہت زیادہ ہے۔ پاکستان کی درآمدات میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

❁ ملک کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ملک کی درآمدات کو کم کیا جائے اور برآمدات کو بڑھایا جائے۔ پر تعیش زندگی گزارنے کے لیے غیر ملکی اشیاء و آسائشوں اور درآمدات کو ختم کر کے اپنے ملک کی صنعت پر بھروسہ کرتے ہوئے سادہ زندگی اپنائی جائے اس سے درآمدات میں کافی حد تک کمی ہو سکتی ہے۔

3 مہنگائی:

پاکستان اس وقت افراط زر اور مہنگائی سے دوچار ہے۔ ناقص منصوبہ بندی اور بیرونی قرضوں کے بوجھ سے ملک میں افراط زر بڑھ گیا ہے۔ افراط زر کی وجہ سے مہنگائی اپنے عروج پر ہے۔ پچھلے چند سالوں کے قلیل عرصہ میں مہنگائی ٪200 سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔

❁ ماہرین معاشیات کے مطابق افراط زر کی شرح ٪5 سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے، مگر پاکستان میں افراط زر کی شرح ٪15 سے بھی زیادہ ہے۔ مہنگائی پر کنٹرول کرنے کے لیے ضروری ہے کہ افراط زر کی شرح کو کنٹرول کیا جائے۔ موثر اور مضبوط معاشی منصوبے بنائے جائیں اور ایسی سرمایہ کاری کی جائے جس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو سکے۔

4 بیرونی قرضوں کا بوجھ:

پاکستان چونکہ ایک ترقی پذیر ملک ہے، اس لیے اسے منصوبوں کی تکمیل کے لیے بین

الاقوامی مالیاتی اداروں سے قرض لینا پڑتا ہے اور بین الاقوامی ادارے سود پر قرض دیتے ہیں۔ پاکستان زیادہ تر قرضے ورلڈ بینک اور آئی۔ ایم۔ ایف (IMF) سے لیتا ہے۔ عالمی مالیاتی ادارے قرض دیتے وقت یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ترقی پذیر ممالک کی معیشت کے استحکام میں مدد دے رہے ہیں، مگر حقیقت میں وہ ان قرضوں پر سود کماتے ہیں اور غریب ممالک کی معیشت کو اپنے کنٹرول میں لے لیتے ہیں۔ پاکستان اس وقت کئی سو ارب ڈالرز کا مقروض ہے۔

❁ پاکستانی معیشت کو مضبوط کرنے کے لیے عالمی مالیاتی اداروں سے قرض کا انحصار کم سے کم کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ ملکی وسائل تلاش کیے جائیں۔ جس طرح کہ حالیہ دور میں ترکی نے کیا اور اپنے ملک سے سارا قرضوں کا بوجھ اتارنے کے بعد یہ اعلان کیا کہ اگر کسی ملک کو قرضے کی ضرورت ہے تو ترکی حاضر ہے۔

5 ملکی سرمایہ کاری میں کمی:

پاکستان کے غیر مستحکم سیاسی حالات کی بناء پر ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کار پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ غیر ملکی سرمایہ کاری میں بتدریج کمی آ رہی ہے۔ ملک میں مقامی، محنتی اور تجربہ کار سرمایہ کاروں کی کمی ہے۔ ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کار صرف وہاں سرمایہ کاری کرتے ہیں جہاں انہیں اپنے نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔

❁ ملکی معیشت کو ترقی دینے کے لیے ضروری ہے کہ ملک کے سیاسی اور معاشرتی حالات کو ملکی سرمایہ کاری کے لیے سازگار بنایا جائے۔ ملکی آجروں کو کاروباری تربیت دی جائے اور غیر ملکی سرمایہ کاروں کو ملک میں سرمایہ کاری کرنے کے لیے تحفظ فراہم کیا جائے۔ اس طرح پاکستان کے بہت سے معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

6 ملکی صنعت کی تباہی:

پاکستان کا ایک بہت بڑا معاشی مسئلہ یہ بھی ہے کہ حکومت نے ملکی اشیاء پر سیلز ٹیکس میں اضافہ کیا ہے، جبکہ غیر ملکی اشیاء پر سیلز ٹیکس میں کمی کر دی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کا غیر

ملکی اشیاء کے استعمال کا رجحان بڑھ گیا ہے۔ ملکی پیدا کردہ اشیاء مہنگی ہونے کی وجہ سے کم استعمال میں لائی جاتی ہیں۔ غیر ملکی اشیاء کی سمگلنگ نے بھی ملکی صنعت کو تباہ کر دیا ہے۔

❁ ملکی صنعت کو بچانے کے لیے ناجائز ذرائع پر پابندی لگائی جائے، سمگلنگ، منشیات اور شراب نوشی کے اڈوں کو بند کیا جائے اور لوگوں کو ملکی پیدا کردہ اشیاء کے استعمال کی ترغیب دلائی جائے۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ ملکی اشیاء کے سیلز ٹیکس میں کمی لائے۔

7 غیر منصفانہ تقسیم دولت:

پاکستان کی زیادہ تر دولت پر صرف چند خاندانوں کا قبضہ ہے اور وہ عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ عوام کی اکثریت غربت و افلاس کا شکار ہے۔ پاکستان کی 40٪ آبادی خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔

❁ معاشی ترقی کے لیے دولت کا گردش میں ہونا ضروری ہے تاکہ یہ امراء کے پاس جمع ہو کر نہ رہ جائے۔ اس کے لیے زکوٰۃ وصدقات کے نظام کو موثر بنایا جائے اور اس نظام کی مکمل طور پر نگرانی کی جائے۔

عالم اسلام کے مابین اقتصادی تعاون

عالم اسلام اس وقت بہت سے مسائل سے دوچار ہے، پورا کفر مسلمانوں کو ایک دہشت گرد قوم سمجھتا ہے، اس لیے یورپی ممالک عالم اسلام کو معاشی، سیاسی، اخلاقی اور دفاعی لحاظ سے کمزور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان حالات میں اگر اسلامی ممالک آپس میں اشتراک وتعاون کر کے ایک متحدہ بلاک کی صورت اختیار کر لیں تو نہ صرف ان کے مصائب ومسائل کا خاتمہ ہو جائے گا، بلکہ دنیا میں یہ امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں گے۔

امت مسلمہ کے معاشی مسائل کا واحد حل ان کا آپس میں اقتصادی تعاون ہے اور عالم اسلام کے مابین اقتصادی تعاون ہی وہ چیز ہے جس کی بدولت اسلامی دنیا مضبوط ومستحکم ہو سکتی ہے۔ درج ذیل سطور میں کچھ ایسی تجاویز پیش کی جاتی ہیں جن کو اپنانے سے عالم اسلام

کے مابین اقتصادی تعاون مضبوط ہو سکتا ہے۔

1 اقتصادی ماہرین کی کمیٹی کی تشکیل:

عالم اسلام کے وہ معاشی ماہرین جو معاشیات کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت کا وسیع مطالعہ رکھتے ہوں، ان پر مشتمل ایک اقتصادی ماہرین کی کمیٹی بنائی جائے، جس کا کام یہ ہو کہ عالم اسلام کے معاشی مسائل پر غور وخوض کرے اور ان کے حل کے لیے تجاویز پیش کرے۔

2 معاشی کانفرنسز کا انعقاد:

اسلامی دنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں میں ماہرین اقتصادیات کی کانفرنسز (Conferences) منعقد کی جائیں۔ ان کانفرنسز میں عالمی طور پر درپیش اقتصادی مسائل اور ان کے حل کے لیے غور کیا جائے اور ان کانفرنسز کے ذریعہ عوام الناس کو معاشی ترقی سے آگاہ کیا جائے۔

3 باہمی تجارت:

عالم اسلام کو چاہیے کہ وہ اپنا اقتصادی تعاون بڑھانے کے لیے اپنی تجارت کو اسلامی ممالک تک محدود کرے۔ آپس میں تجارت کو فروغ دیا جائے، تاجروں کو اسلامی ممالک میں آنے جانے کی آسان سہولتیں فراہم کی جائیں، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اسلامی ممالک کا سرمایہ ان کے پاس ہی رہے ہوگا۔

4 اسلامی ترقیاتی بینک کا قیام:

معاشی مسائل سے نجات پانے کے لیے اسلامی ممالک کا اپنا ترقیاتی بینک ہونا چاہیے۔ اسلامی دنیا کے تمام ممالک اس بینک میں فنڈز جمع کروائیں۔ بینک اس فنڈ کو غریب ممالک کی اقتصادی ترقی کے لیے قرض حسنہ دے۔

5 مشترکہ ٹیکنالوجی کا فروغ:

عالم اسلام کے ممالک جدید ٹیکنالوجی ایک دوسرے تک پہنچائیں۔ معاشی ترقی کے لیے جدید ٹیکنالوجی انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ ہر ملک کو چاہیے کہ دوسرے اسلامی ممالک کو

ترقی دینے کے لیے اپنی ٹیکنالوجی اور تجربات دوسرے ملکوں کو پہنچائیں۔ اس معاملے میں پاکستان ایک ایسا ملک ہے جو بہترین کردار ادا کرسکتا ہے۔

6 مشترکہ سرمایہ داری:

مختلف ممالک کے درمیان نجی سطح پر مشترکہ سرمایہ کاری کے منصوبے بننے چاہیں اور مختلف منصوبوں کی تکمیل کے لیے کئی ممالک مشترکہ طور پر سرمایہ کاری کر کے زرمبادلہ کما سکتے ہیں۔ اس سے منصوبوں کی بروقت تکمیل اور اقتصادی ترقی ہوگی۔

7 بلاسود قرضوں کی فراہمی:

متعدد مسلم ممالک سودی قرضوں کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں، جن میں پاکستان بھی شامل ہے۔ اللہ نے کئی مسلم ممالک کو تیل کی دولت کا وافر حصہ عطا کیا ہے۔ اگر یہ ممالک غریب و پسماندہ مسلم ممالک کو بلاسود قرضے فراہم کرے تو ان کی معیشت کو سہارا مل سکتا ہے۔

8 معاشی کفالت فنڈ کا قیام:

اسلامی ممالک کی معاشی ترقی کے لیے ایک ایسا ادارہ بنایا جائے جہاں تمام اسلامی ممالک پر ہر سال فنڈ جمع کروائیں۔ ان فنڈز کو بوقت ضرورت غریب ممالک کی امداد اور ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لیے استعمال کیا جائے، اگر کوئی مسلمان ملک کسی مشکل میں پھنس جائے تو اس فنڈز کے ذریعے اس کی مدد کی جائے۔

9 یکساں کرنسی کا اجراء:

عالم اسلام کے مابین اقتصادی تعاون کے فروغ کے لیے ایک جیسے کرنسی نوٹ جاری کیے جائیں۔ تمام مسلم ممالک مل بیٹھ کر اسلامی دنیا کی کرنسی تجویز کرلیں، یکساں کرنسی کے اجراء سے اسلامی ممالک کی ترقی کی رفتار بڑھ جائے گی۔

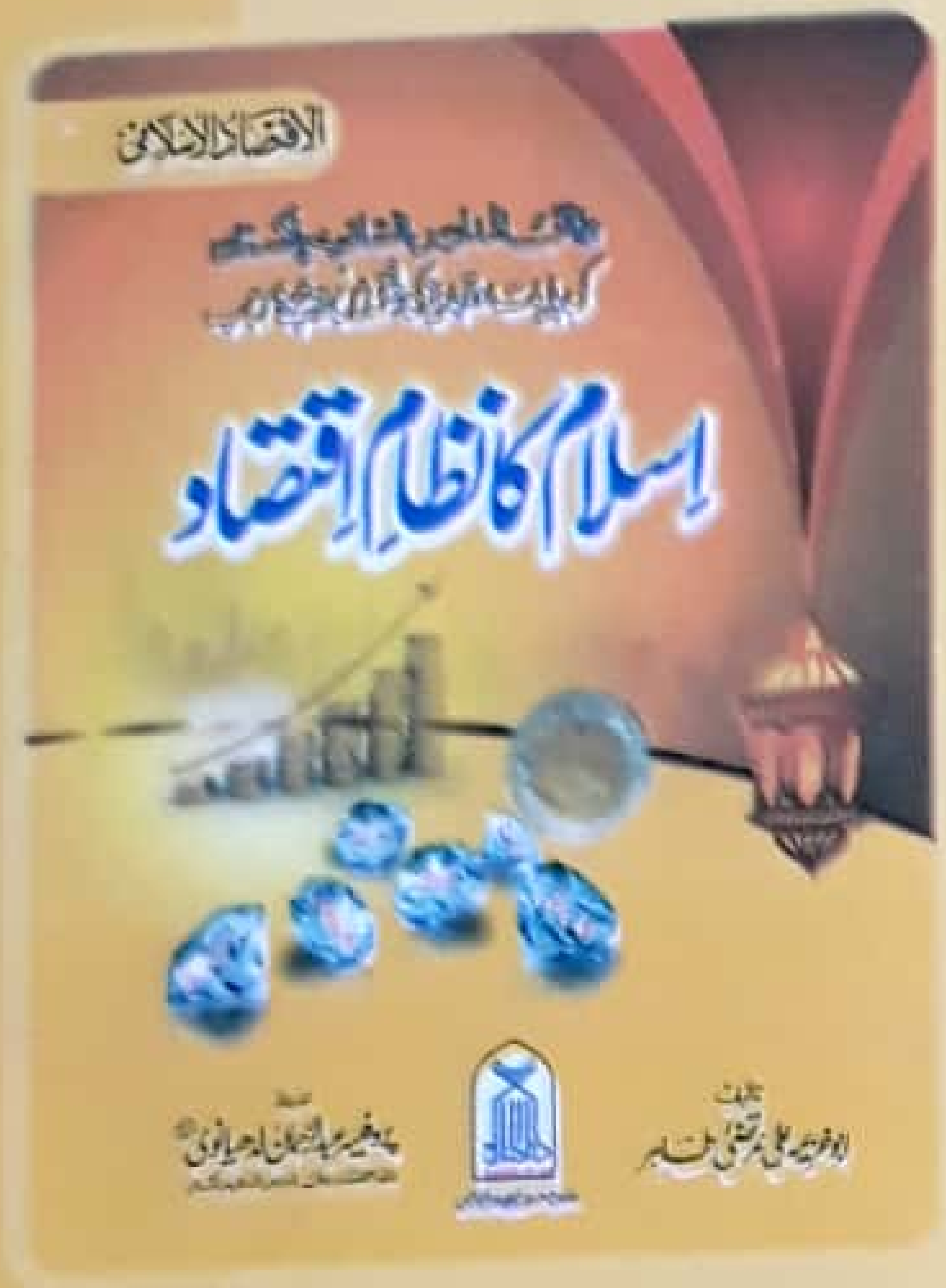
10 مشترکہ اقتصادی کمیشن:

مسلم ممالک کے مابین اقتصادی تعاون بڑھانے اور تجارت کو فروغ دینے کے لیے مشترکہ اقتصادی کمیشن بہت فائدہ مند ہوسکتا ہے۔ عالم اسلام کا ایک ایسا مشترکہ اقتصادی

کمیشن بنایا جائے جو مسلم دنیا کے مختلف ممالک میں ہونے والے معاشی نقصانات کی رپورٹس تیار کر کے اسلامی بلاک کے سامنے رکھے۔

سوالات

1- اقتصادی امور میں اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کا جائزہ لیجیے۔
2- اسلام اور جدید اقتصادی نظاموں کا تقابلی جائزہ لیں۔
3- پاکستان کے مالیاتی نظام کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔
4- پاکستان کے معاشی مسائل بیان کریں اور ان کے حل کے لیے تجاویز پیش کریں۔
5- عالم اسلام کے مابین اقتصادی تعاون کو کیسے فروغ دیا جا سکتا ہے؟ تفصیلی جائزہ پیش کریں۔



وفاقُ المدارس السلفیہ پاکستان
کی ہدایات اور تجاویز کی روشنی میں مرتب شدہ کتاب

خصوصیات

- انتہائی آسان اور عام فہم اسلوب
- وفاق کی ہدایات وتجاویز سے مکمل ہم آہنگ
- قُرآنی آیات اور احادیث سے مزین
- صحیح احایث سے استدلالات
- تمام تر نصوص کی تخریج
- ہر باب کے آغاز میں باب کا مکمل تعارف
- باب کے آخر میں مشقی سوالات
- جامع ترین نصاب
- الشہادۃ العالمیۃ کا امتحان دینے والے طلباء وطالبات کے لیے

مکتبہ دارُالاصلاح لاہور پاکستان
0300-4262092 Dar Ul Islah
al.islah313easyquran@gmail.com
DARULISLAH
اصلاحِ امت کیلئے سرگرم کوشاں